ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

۲/ ستمبر ۹۶ء

☆ یہودیوں کا ایک خطے میں جمع ہونا ان کے لئے عذاب استیصال کا پیش خیمہ ہے
☆ کیا سیکولر نظام کے تحت انتخابات کے ذریعے اسلامی انقلاب آسکتا ہے
☆ خود مختاری کے باوجود فلسطینیوں کی حیثیت ایک محکوم قوم کی ہے

حدیث امروز

جنرل (ر) محمد حسین انصاری

سلجھایئے' الجھایئے نہیں

۱۹۹۷ء پاکستان کی گولڈن جوبلی کا سال ہے۔ امسال ۱۴/ اگست کو سن عیسوی کے اعتبار سے ۴۹ سال مکمل ہوئے اور ۵۰ واں شروع ہوا جبکہ قمری اعتبار سے پچاس سال پہلے ہی مکمل ہو چکے ہیں۔ چنانچہ گولڈن جوبلی تقریبات کا وسیع پروگرام کچھ عرصہ سے شروع ہے جو زیادہ تر کارکنان تحریک پاکستان کے تحت گولڈن جوبلی تقریبات کمیٹی کے زیر اہتمام ہو رہا ہے۔ البتہ حکومت نے بھی ایسی تقریبات گاہے بگاہے منعقد کرنے کا پروگرام بنا رکھا ہے۔ زندگی کے مختلف شعبہ جات سے متعلق نمائشوں کا سلسلہ جاری ہے' مضامین لکھے جا رہے ہیں' مجالس و محافل کا اہتمام ہے جن میں کارکنان تحریک پاکستان اپنے مشاہدات اور تاثرات بیان کرتے ہیں' دانشوران ملت اس جذبے کے محرکات پہ روشنی ڈالتے ہیں جس سے یہ تحریک پروان چڑھی' اور سامعین اس داستان حق سے سرشار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ گفت و شنید کے اس سلسلے میں بات جب قیام پاکستان کے بعد کے زمانے کی آتی ہے تو وہ لطف قائم نہیں رہتا۔ نوجوان اکھڑے اکھڑے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے زیر لب پھٹتے ہوئے تبصرے بسا اوقات ان کی زبان پر بھی آجاتے ہیں۔ ایسی صورتحال سے بچ نکلنے کی حکمت میں اکابرین قوم فلسفہ گوئی سے کام لیتے ہیں اور بیشتر حکومت وقت پر برس پڑنے ہی میں عافیت سمجھتے ہیں۔

ان تقریبات میں جہاں مختلف موضوعات پر سیر حاصل گفتگو ہو رہی ہے وہاں ایک موضوع خصوصی توجہ کا مرکز ہوتا ہے جو یقیناً غور طلب ہے۔ اور وہ یہ کہ قائداعظم کا تصور پاکستان کیا تھا۔ یعنی کیا وہ پاکستان کو سیکولر اسٹیٹ (لادینی مملکت) بنانا چاہتے تھے یا کہ اسلامی ریاست۔ سیکولرازم کے حامی ارباب دانش قائداعظم کی مختلف تقاریر کا خلاصہ پیش کرتے ہیں اور پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی میں قائد کی تقریر کا خصوصی طور پر حوالہ دیتے ہوئے یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ قائداعظم پاکستانی قومیت کو لوگوں کی مذہبی مناسبت سے بالاتر قرار دیتے تھے' اسی لئے تو انہوں نے کہا کہ پاکستان میں نہ مسلمان مسلمان رہے گا' نہ ہندو ہندو رہے گا اور نہ عیسائی عیسائی رہے گا۔ دوسری جانب کے مفکرین کا استدلال یہ ہے کہ قائداعظم کا یہ بیان سیاسی پس منظر میں مذہب کی بنا پر پیدا شدہ جنونیت کو ٹھنڈا کرنے اور اقلیتوں کو تحفظ کا یقین دلانے کے لئے دیا گیا تھا ورنہ قائداعظم تو متعدد بار قرآن و سنہ کے مطابق پاکستان کا آئین ہونے کی وضاحت واشگاف الفاظ میں کر چکے تھے۔ یہ حضرات جہاں اس موقف کو شرط و بسط کے ساتھ بیان کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے کہ قائداعظم پاکستان کو اسلامی ریاست دیکھنا چاہتے تھے وہاں یہ بات بھی دو ٹوک الفاظ میں کہے دیتے ہیں کہ قائداعظم تھیوکریسی (theocracy) کے ہرگز قائل نہ تھے۔ انہی دنوں جناب جسٹس سینیٹر جاوید اقبال کا بیان "علامہ اقبال کا تصور پاکستان" کے موضوع پر شائع ہوا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ "علامہ اقبال پاکستان میں روحانی جمہوریت چاہتے تھے جو آج کے حالات میں ممکن نظر نہیں آرہا۔ قوم اپنے قائدین کا سبق بھول کر بھٹک رہی ہے۔ ملک کی کامیابی صرف اس بات میں ہے کہ ہم قائد اور اقبال کے فرمودات کی روشنی میں ملک کا نظام و انصرام چلائیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ موجودہ دور میں اسلامی قوانین میں واضح تبدیلی کی ضرورت ہے کیونکہ مولوی روایتی انداز میں اس نظام کو چلانا چاہتے ہیں لیکن موجودہ سائنٹیفک حالات میں اس کی اصلاح کی ضرورت ہے"۔

اس وقت فریقین کے موقف پر بحث کرنا مقصود نہیں بلکہ ایک بنیادی نقطہ نظر پر غور و فکر درکار ہے کہ پاکستان میں کس حد تک اور کس قسم کا اسلام چاہئے اور یہ کہ اس فیصلے میں قائداعظم اور علامہ اقبال کے تصورات کو کہاں تک عمل دخل ہو سکتا ہے۔ اسلام دین فطرت ہے اور برحق۔ اس کے عقائد و اصول اٹل اور واضح ہیں۔ حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کی' بندگی بھی صرف اسی کی' اور اتباع

(باقی صفحہ ۲۱ پر)

قیمت : ۸ روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الہدیٰ

ترجمانی : حافظ عاکف سعید

اور اپنے ہاتھ کو اپنی گردن کے ساتھ باندھ کر مت رکھو اور نہ کھول دو اسے پورا کھولنا کہ پھر تم ملامت زدہ اور عاجز ہو کر بیٹھ رہو O

(کہ اسلام اپنے پیروکاروں کو بخل اور اسراف کے مابین راہ اعتدال پر گامزن دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ شخص جس کا دینے والا ہاتھ بخل کے باعث شل ہو چکا ہو اور وہ کسی ضرورت مند اور محتاج کے لئے دھیلا تک خرچ کرنے کا روادار نہ ہو' یقیناً اخلاقی اعتبار سے گراوٹ کی انتہا پر ہے اور لائق سرزنش و ملامت ہے' لیکن اس صاحب جود و سخا کا طرز عمل بھی جو کسی وقتی جذبے سے مغلوب ہو کر سب کچھ راہ خدا میں نچھاور کر کے بعد میں پچھتاتا پھرے اور خود کوڑی کوڑی کا محتاج ہو جائے' ہرگز قابل ستائش و رشک نہیں ہے)

یقیناً تمہارا رب جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے' بلاشبہ وہ اپنے بندوں کے حال کی خبر رکھنے والا' دیکھنے والا ہے O

ہاں یہ حقیقت ہر شخص کو ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ رزق کی تنگی و کشادگی کا کل اختیار اللہ کے پاس ہے۔ وہ کسی کو دے کر آزماتا ہے اور کسی سے کچھ لے کر اور رزق کے معاملے میں ہاتھ کھینچ کر اسے امتحان سے دوچار کرتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کے احوال سے پورے طور پر واقف و باخبر ہے اور اپنے علم کامل کی بنیاد پر فیصلہ کرتا ہے کہ کس کے رزق میں کشادگی کی جائے اور کسے رزق کی تنگی کے ذریعے آزمائش سے دوچار کیا جائے)

اور مت قتل کرو اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے' انہیں بھی ہم ہی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی۔ یقیناً ان کا قتل ایک بہت بڑی خطا ہے O

(افلاس اور غربت کے ڈر سے اولاد کو قتل کرنا...... خواہ اسے بالفعل زندہ درگور کیا گیا ہو یا اسقاط حمل کے ذریعے اس سے چھٹکارا حاصل کیا گیا ہو...... بہت بڑا گناہ کا کام تو ہے ہی' انتہا درجے کی نادانی اور حقیقت ناشناسی بھی ہے کہ رازق تو صرف وہی ایک ذات بابرکات ہے۔ تمہیں بھی وہی رزق دے رہا ہے اور جو ذی نفس بھی دنیا میں پیدا ہو گا اس کا رزق بھی خود اس نے اپنے ذمے لیا ہے۔ تمہارا اگر یہ خیال ہے کہ اپنے رازق تم خود ہو تو تم شدید مغالطے کا شکار ہو' فی الحقیقت رازق صرف اللہ ہے)

(سورۂ بنی اسرائیل۔ آیات ۲۹ تا ۳۱)

جوامع الکلم

جس نے میانہ روی اختیار کی' محتاج نہیں ہوا

(بخل اور اسراف کی دو انتہاؤں کے مابین میانہ روی کی روش پر کاربند رہنے والا' از روئے فرمان نبویؐ' محتاجی اور تنگدستی سے کبھی دوچار نہ ہو گا کہ میانہ روی ہی اللہ اور رسولؐ کی نگاہوں میں بہترین اور پسندیدہ روش ہے جو محض خرچ کے معاملے ہی میں نہیں' زندگی کے تمام معاملات میں درکار ہے)

(الحدیث)

دار المطالعہ ... 28/8/96

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ایڈیٹر کے ڈیسک سے!

جمعہ ۲۳/ اگست کا دن لاہور اور اس کے نواحی شہروں میں بسنے والوں کے لئے قیامت بن کر گزرا۔ جمعرات کے دن بھی بارش کی حشر سامانی کچھ کم نہ تھی کہ صبح ہی سے موسلا دھار بارش نے معمولات زندگی کو در [illegible] نہ تھا کہ شام کے وقت بارش کا چند گھنٹوں کے لئے تھمنا ایک نئے طوفان کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔ [illegible] کے بعد پھر چھاجوں پانی برسنے لگا۔ اور "ففتحنا ابواب السماء بماء منهمر" کا سا نقشہ جم گیا (ترجمہ : پس ہم نے کھول دیئے آسمان کے دہانے چھاجوں برسنے والے پانی سے)۔ موسلا دھار بارش ایک رفتار' ایک ٹمپو کے ساتھ اگلے روز دن کے بارہ بجے تک مسلسل برستی رہی۔ لوگوں نے باران رحمت کو بچشم سر "باران زحمت" میں بدلتے دیکھا۔ نشیبی علاقے تو جمعرات کی بارش کے نتیجے میں ہی زیر آب آ چکے تھے' جمعہ کی صبح تک ان علاقوں کی گلیاں اور سڑکیں بھی جو نشیبی شمار نہیں ہوتے تھے' دریا اور جھیل کا نقشہ پیش کر رہی تھیں۔ گلی کوچوں میں پانی کی سطح بلند ہونا شروع ہوئی تو مکانات بھی پانی کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکے۔ جن مکانات کی کرسی (plinth) کچھ زیادہ اونچی نہیں تھی وہ پانی کی یلغار کا مقابلہ نہ کر سکے۔ صبح ۸ بجے تک پانی ان مکانات کے صحن و روش سے ہوتا ہوا کمروں اور خواب گاہوں میں داخل ہو چکا تھا۔ پانی کی سطح بلند ہونے کے باعث گٹر ابلنے لگے تھے اور بارش کے پانی کے ساتھ ناپاک پانی کی آمیزش مزید وبال جان بن رہی تھی۔ پانی نے امیر اور غریب کی تفریق مٹا دی تھی۔ غرباء اور طبقہ متوسطہ سے تعلق رکھنے والے افراد کے مکانات زیر آب آئے تو گارڈن ٹاؤن اور گلبرگ کے مکین بھی پانی کی فتنہ سامانی سے بالکلیہ محفوظ نہیں رہ سکے۔ دوپہر بارہ بجے تک ان پاش علاقوں کی اکثر کوٹھیوں کے اندر بھی فٹ ڈیڑھ فٹ پانی داخل ہو کر ان کے مکینوں پر قیامت ڈھا چکا تھا۔ ایسے میں لوگوں نے گھبرا کر اذانیں دینا اور اللہ کی رحمت کی دہائی دینا شروع کر دی۔ مکانات کے تہ خانوں کا معاملہ سب سے زیادہ سنگین تھا۔ شدید بارشوں کے مقابلے میں پختہ سے پختہ تہ خانے بھی تعمیری اعتبار سے ناقص و ناتمام نظر آنے لگے۔ دیواروں اور فرشوں سے رستا ہوا پانی تو باعث تشویش تھا ہی' گلیوں اور سڑکوں سے پانی کا چڑھتا ہوا ریلا اس سرعت کے ساتھ مکانات اور دکانوں کے تہ خانوں میں داخل ہوا کہ سامان سنبھالنے کی فرصت تو کیا ملتی' لوگوں کے لئے جان بچانا مشکل ہو گیا۔ بعض مقامات پر تہ خانوں کے اندر پھنس کر ہلاک ہونے کے روح فرسا واقعات بھی پیش آئے۔ بعض مساجد کے صحن اور برآمدے ہی نہیں ہال کمرے بھی (بشمول مسجد دار السلام کے) کچھ اس طور سے زیر آب آئے کہ ان میں نماز اور اجتماع جمعہ کا انعقاد تو درکنار' داخلہ بھی ناممکن ہو گیا۔

نماز جمعہ سے قبل دوپہر کو قریباً ۱۲ بجے رحمت خداوندی کو جوش آیا۔ آسمان کے پرنالوں کو تھم جانے کا حکم ہوا۔ اس سے قبل ہر شخص کی زبان پر ایک ہی جملہ تھا کہ یہ بارش نہیں قہر خداوندی ہے۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ اگر بارش کا یہ سلسلہ اسی انداز میں مزید چند گھنٹے اور جاری رہتا تو شہر لاہور کا کوئی گھر اور کوئی تجارتی مرکز ایسا نہ بچتا کہ جہاں پانی اندرونی طور پر گٹروں کے ابلنے کے نتیجے میں (گویا "فار التنور" کے انداز میں) یا باہر سے چڑھتے ہوئے پانی کی زد میں آ کر زیر آب نہ آ جاتا۔ اس طرح وہ عذاب جس کی واضح جھلک ہر شخص نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی تھی بلکہ اہل لاہور کی اکثریت نے اس کا کسی قدر ذائقہ چکھ بھی لیا تھا' پورے طور پر وقوع پذیر ہو جاتا اور وہ قیامت صغریٰ بپا ہو جاتی جس کے تصور سے بھی جھرجھری آتی ہے۔

ہر دیدۂ عبرت نگاہ کے لئے اس حقیقت کا ادراک کرنا چنداں مشکل نہ تھا کہ یہ درحقیقت اللہ کا قہر تھا جو بارش کی صورت میں ہم پر برسا۔ اسی طرح یہ حقیقت بھی بالکل عیاں ہو کر سامنے آئی کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے نافرمان بندوں پر عذاب بھیجنے کیلئے آسمان سے لشکر اتارنے کی ضرورت نہیں ہے' وہی مظاہر فطرت جو ہمارے لئے سامان راحت اور زندگی کی بقا و تسلسل کا ذریعہ ہیں' کسی بھی وقت اللہ کے حکم سے عذاب کی صورت میں ڈھل کر ہمارے لئے زحمت ہی نہیں سامان ہلاک بھی بن سکتے ہیں۔

عذاب الٰہی کا یہ جھٹکا اگر ہمیں خواب غفلت سے بیدار کر سکا تو بڑا خوش آئند قرار پائے گا' یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ اپنے کرتوتوں کے سبب ہم خود کو اللہ کے عذاب کا مستحق ثابت کر چکے ہیں۔ ہم اگر اللہ کی جناب میں سچی توبہ کریں اور گناہوں سے تائب ہونے کا عزم مصمم کرتے ہوئے اس کے دین کی خدمت اور اس کے کلمہ کی سربلندی کے لئے کمربستہ ہو جائیں تو یہ "جھٹکا" بڑا مبارک ہے' لیکن اگر ہمارے شب و روز وہی رہے --- اور شدید اندیشہ ہے کہ وہی رہیں گے ---- تو معاذ اللہ اس نوع کے عذاب کے جھٹکے ہمارے لئے "عذاب اکبر" کی تمہید بھی بن سکتے ہیں۔ اعاذنا اللہ من ذٰلک۔

☆ ☆ ☆

زیر نظر شمارے میں "تذکیر و موعظت" کے زیر عنوان تنظیم الاخوان کے امیر مولانا محمد اکرم اعوان کا ایک مضمون بھی شامل ہے۔ رفقاء و احباب کے لئے ان کی ذات محتاج تعارف نہیں کہ تنظیم اسلامی کے پلیٹ فارم پر انہیں ایک سے زائد بار مدعو کیا جا چکا ہے۔ مولانا کے زیر نظر مضمون میں جو ان کے جریدے "المرشد" میں شائع ہوا' معاشرے کی حالت زار کا نقشہ عمدگی سے کھینچا گیا ہے۔ تذکیر و موعظت کے نقطہ نگاہ سے یہ مضمون نہایت قابل قدر ہی نہیں وسیع افادیت کا حامل بھی ہے۔ تاہم یہ اہم سوال کہ معاشرے کی حالت کو کیسے بدلا جا سکتا ہے یا بالفاظ دیگر انقلاب کیونکر برپا کیا جائے؟ اس کا طریق کار کیا ہو؟ اپنی جگہ برقرار ہے۔ مولانا اگر اس پر وضاحت کے ساتھ قلم اٹھائیں تو ہمارے صفحات ان کے لئے حاضر ہوں گے' بالکل اسی طرح جیسے قرآن آڈیٹوریم کا سامعین سے کھچا کھچ بھرا ہوا وسیع و عریض ہال اور والٹن کے جلسہ گاہ کا سٹیج ان کے لئے حاضر کر دیا گیا تھا۔ OO

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

○

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

بانی مدیر : اقتدار احمد مرحوم

جلد ۵ شمارہ ۳۴

۲/ ستمبر ۹۶ء

18

ایڈیٹر
حافظ عاکف سعید

○

یکے از مطبوعات
تحریک خلافت پاکستان

۴ - اے' مزنگ روڈ' لاہور

○

مقام اشاعت
۳۶ - کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور
فون : ۳-۵۸۶۹۵۰۱

○

پبلشر : محمد سعید اسعد طابع : رشید احمد چودھری
مطبع : مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

○

• قیمت فی پرچہ : ۸ روپے
سالانہ زر تعاون (اندرون پاکستان) ۱۵۰ روپے

○

زر تعاون برائے بیرون پاکستان
☆ ترکی' اومان' مصر — ۱۳/ امریکی ڈالر
☆ سعودی عرب' کویت' بحرین' قطر' عرب امارات' بھارت' بنگلہ دیش' یورپ' جاپان — ۲۰ امریکی ڈالر
☆ امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا' نیوزی لینڈ — ۲۶ امریکی ڈالر

یہودیوں کا ایک خطے میں جمع ہونا ان کے لئے عذاب استیصال کا پیش خیمہ ہے

خلافت کا آغاز ان شاء اللہ اسی خطے سے ہو گا جو افغانستان اور پاکستان پر مشتمل ہے

مسلمان امت اگر اسلام سے انحراف کرتی ہے تو دنیا میں اس پر کافروں سے بڑھ کر عذاب آتا ہے

پیش گوئیاں صرف احادیث میں ہی نہیں' قرآن میں بھی وارد ہوئی ہیں

ڈاکٹر اسرار احمد

ایک طرف تو ہندو مت کا تیزی سے احیاء ہو رہا ہے اور دوسری طرف صورت حال یہ ہے کہ ہم بدترین انتشار کا شکار ہیں۔ تازہ الیکشن {۱} میں دینی' مذہبی سیاسی جماعتوں کا جو حشر ہوا وہ ہم سب کے سامنے ہے۔ لیکن کوئی پتہ نہیں کہ تاریخ ایک دفعہ پھر اپنے آپ کو دہرا دے کہ ہندو قوم کے ہاتھوں ہم کو تہس نہس کرا دیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ ان کو اسلام لانے کی توفیق عطا کر دے

ہے عیاں فتنہ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

نظام خلافت کب اور کہاں برپا ہو گا؟

بہرحال ان تین صورتوں میں سے خواہ کوئی بھی پیش آئے مجھے یقین ہے کہ ان شاء اللہ خلافت کا احیاء اسی خطے سے ہو گا۔ ایک سوال کا جواب میرے پاس نہیں ہے کہ یہ احیاء کب ہو گا؟ میں کیا جواب دوں گا جبکہ قرآن نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوا دیا :

﴿ان ادری اقریب ام بعید ما توعدون O﴾

(الانبیاء : ۱۰۹)

"میں نہیں جانتا کہ (جس بات کی تمہیں خبر دی جا رہی ہے) جو وعدہ تم سے کیا جا رہا ہے وہ قریب ہے یا دور"۔

اسی طرح سورۂ جن میں آیا ہے :

﴿قل ان ادری اقریب ما توعدون ام یجعل لہ ربی امدا O﴾ (الجن : ۲۵)

یعنی "مجھے معلوم نہیں ہے کہ (جو خبر تم کو دی جا رہی ہے) جو وعدہ تم سے کیا جا رہا ہے وہ قریب آ چکا ہے یا ابھی اس میں تمہارا رب کوئی تاخیر کرے گا"۔

اسی خطے سے نظام خلافت کے احیاء کا یقین مجھے بہرحال حاصل ہے۔ اب میں اس کی تائید میں دو حدیثیں پیش کر رہا ہوں۔ ایک حدیث ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن حارثؓ سے روایت کی ہے :

"مشرق سے فوجیں نکلیں گی جو مہدی کی حکومت قائم کرنے کے لئے منزل پر منزل مارتی چلی آئیں گی۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشرق کے کسی علاقے میں وہ نظام خلافت پہلے قائم ہو چکا ہو گا۔ دوسری حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے اور اس کو امام ترمذیؒ نے اپنی "جامع" میں روایت کیا ہے :

"خراسان کی جانب سے علم چلیں گے' ان کو کوئی روک نہ سکے گا جب تک کہ وہ ایلیاء میں جا کر نصب نہ ہو جائیں"۔

(حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یروشلم کا نام ایلیاء تھا) خراسان اس علاقے کا نام ہے جس کا کچھ حصہ اس وقت پاکستان میں ہے اور زیادہ حصہ افغانستان میں ہے۔ گویا یہی علاقے ہیں جہاں سے خلافت کا آغاز ہو گا۔

بظاہر بہتری کی کوئی صورت نظر نہیں آتی کیونکہ عربوں کے بعد سب سے بڑی مجرم قوم مسلمانان پاکستان ہیں۔ اس وقت پاکستان ننگے سیکولرازم کی طرف جا رہا ہے حتیٰ کہ قومی شناختی کارڈ پر مذہب کا خانہ تک درج نہ ہو سکا۔ اس لئے کہ یہ بات عیسائیوں کو پسند نہ تھی۔ یہاں تک کہ پوپ صاحب بھی بول پڑے۔ یہ سب اس ملک میں ہو رہا ہے جو اسلام ہی کے نام پر معرض وجود میں آیا تھا۔

جیسا کہ اس سے پہلے واضح کر چکا ہوں کہ کتب احادیث میں کتاب الفتن و کتاب الملاحم سے مراد جنگوں کا باب ہے۔ ان میں خاص طور پر "الملحمہ العظمی" کا ذکر ملتا ہے جو تاریخ انسانی کی عظیم ترین جنگ ہو گی۔ اس کے علاوہ احادیث میں علامات قیامت' خروج دجال' عرب میں قیادت مہدی کا ظہور' مشرق سے فوجوں کی آمد' آسمان سے حضرت مسیحؑ کا نزول' اس کے نتیجے میں یہود کا استیصال اور پھر عالمی سطح پر اسلام کے نظام خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے قیام کی پیشین گوئیاں موجود ہیں۔ میں نے

{۱} واضح رہے کہ یہ خطاب ۱۹۹۳ء کا ہے اور "تازہ الیکشن" سے مراد ۱۹۹۳ء کے انتخابات ہیں۔

اس سے پہلے بھی کہا ہے کہ یہ وہ حالات ہیں جو میرے اندازے میں تو زیادہ دور نہیں ہیں' قرائن و شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ بہت قریب پہنچ چکا ہے۔

ذات باری تعالیٰ کو کس نے دیکھا ہے۔ بس اس کی آیات ہی سے تو اسے پہچانا جاتا ہے۔

حق مری دسترس سے باہر ہے
حق کے آثار دیکھتا ہوں میں

اسی طرح جو پیش آنے والے حالات ہیں اور قیامت سے قبل کی جو علامات ہیں' نبی اکرم ﷺ نے ان کو وضاحت سے بیان فرما دیا ہے۔ چنانچہ دیکھنے والے ان کو دیکھ رہے ہیں۔ محسوس ہوتا ہے جیسے بساط بچھ رہی ہے' جیسے کسی ڈرامے کے لئے سٹیج تیار کیا جاتا ہے اور سامان فراہم کیا جاتا ہے۔

جو کچھ پیش آنے والا ہے وہ در حقیقت دو مسلمان امتوں کی سزاؤں کی آخری قسطیں ہیں جو کہ اب آنے والی ہیں۔

حادثات اور واقعات کا ظاہر و باطن

ایک اصولی بات اور سمجھ لی جائے کہ تاریخ میں جو بڑے بڑے حادثات و واقعات رونما ہوتے ہیں ان کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن۔ ظاہر میں کون کون سی قوتیں اور عوامل کارفرما ہیں' باطن میں اصل حقیقت کیا ہے اور مشیت ایزدی کس طور سے اپنا ظہور کر رہی ہے' یہ دو چیزیں بالکل علیحدہ علیحدہ ہیں۔ بسا اوقات ظاہری اعتبار سے جن چیزوں کی' جن واقعات و حادثات کی بہت اہمیت ہوتی ہے' باطنی اعتبار سے ان کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ اسی طرح باطنی اعتبار سے جن امور کی اہمیت ہوتی ہے وہ ظاہری اعتبار سے اہمیت کے حامل نظر نہیں آتے۔ اس کی سب سے بڑی مثال یہ ہے کہ جن حالات میں نبی اکرم ﷺ کی بعثت ہوئی ہے اس وقت کی دنیا نے اس واقعہ کی اہمیت کو کیا سمجھا ہو گا؟ دنیا کے ایک چھوٹے سے کونے میں' جزیرہ نمائے عرب کے ایک دق صحرا میں ایک چھوٹا سا واقعہ ہوا۔ پھر اس واقعہ نے آگے چل کر وہاں انقلاب برپا کر دیا۔ مگر دنیا پر اس کا یا اس کے نتیجہ میں برپا ہونے والے انقلاب کا فوری اثر کیا ہوا ہو گا۔ مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی دنیا میں آباد انسانوں کی اکثریت نے اس کا کیا نوٹس لیا ہو گا؟ لیکن معنوی اعتبار سے یہ کتنا اہم واقعہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت انبیاء و رسل کے سلسلہ کا خاتمہ اور تکمیل ہے۔ اس بعثت کی وجہ سے روئے ارضی پر کتنا بڑا انقلاب برپا ہوا؟ اگرچہ اس وقت کے حالات و واقعات میں کچھ دوسری قوتیں زیادہ موثر نظر آتی ہیں۔ حقیقت میں باطنی معاملہ تو "مشیت ایزدی" کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا جو قانون ہے' اس کی جو سنت ہے یہ واقعہ اس کا ظہور ہے اور جیسا کہ اس سے قبل کہا گیا مسلمان امتوں پر بھی عذاب آتا ہے اور کافروں سے بڑھ کر عذاب آتا ہے مگر کفار کے ضمن میں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ وہ کافر جن کی طرف براہ راست کوئی رسول آیا ہو' اور رسول کی طرف سے اتمام حجت کے باوجود وہ ایمان نہ لائیں تو ایسے کافروں کو کوئی رعایت نہیں ملتی۔ لیکن ان کے علاوہ وہ کفار جن پر کسی رسول نے براہ راست حجت پوری نہیں کی ان پر دنیا میں کوئی عذاب نہیں آتا۔ ان کا سارا معاملہ آخرت میں ہی چکایا جائے گا۔ اس دنیا میں سزا رسولوں کی امتوں کو ان کے اعمال اور قول و فعل کے تضاد کی بنیاد پر ملتی ہے۔ سورۂ صف آیت ۲ میں ہے:

﴿ یایھا الذین امنوا لم تقولون ما لا تفعلون O کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون O﴾

"اے اہل ایمان کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔ ناراضی کے لحاظ سے اللہ کے نزدیک یہ بات بہت بڑی ہے کہ وہ کہو جو کرتے نہیں ہو"۔

اس بات کا تجزیہ کرنا مشکل نہیں ہے۔ ایک قوم مدعی ہے کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں' اس کے رسول کو مانتے ہیں' اس کی کتاب کو مانتے ہیں اور اس کی شریعت کو مانتے ہیں۔ مگر یہ سب کچھ ماننے کے بعد عمل نہیں کرتے یا عمل کرتے ہیں تو جزوی طور {۱} پر۔ اپنے اس طرز عمل کی وجہ سے وہ مسلمان امت جو زمین پر اللہ کی نمائندگی کے منصب پر فائز تھی اس نے الٹی نمائندگی شروع کر دی ہے۔ یہ امت اب خالق اور مخلوق کے درمیان حجاب بن گئی ہے۔ دنیا ان کو دیکھتی ہے اور انہی کے حوالے سے دین کو سمجھتی ہے۔ اس وقت یہ امت مخلوق خدا کو دین کی طرف لانے کے بجائے اس سے لوگوں کو متنفر کر رہی ہے۔

اپنے اس طرز عمل اور غلط نمائندگی کے باعث یہ کافروں سے بڑھ کر مجرم اور زیادہ شدید سزا کی مستحق بن چکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پٹائی ایک مغضوب اور ملعون قوم {۲} کے ہاتھوں ہو رہی ہے اور

{۱} ہماری جہالت اور بدبختی لائق ماتم ہے کہ ہم نے اپنی بے عملی' بد عملی یا دورنگی کے جواز کے لئے خوب خوب عذر تلاش کر رکھے ہیں۔ چنانچہ ہم بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ اگر ہم بد ہیں تو کیا ہوا' ہیں تو امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں۔ ہم اللہ' رسول کو مانتے ہیں --- نہ ماننے والوں سے تو اچھے ہیں۔ ہم بڑی عقیدت کے مظاہرے کے ساتھ کہتے ہیں "ہم تیرے محبوب کے امتی ہیں" اور پھر اگر ہم کچھ احکام پر عمل کر لیتے ہیں تو ان کے مقابلے میں تو بہتر ہی ہیں جو کسی حکم کو نہیں مانتے۔ آخر کچھ تو ہمارا کریڈٹ ہونا چاہئے۔

یہ ہے ہماری سوچ کا انداز' مگر قرآن حکیم ہمیں دوسرا ہی فیصلہ سناتا ہے۔ یہود کی روش یہ تھی کہ مختلف یہودی قبائل اپنے اپنے حلیف غیر یہودی قبائل کے ساتھ مل کر یہودی قبائل سے جنگ کرتے اور ان کو گھروں سے نکال کر قیدی بناتے۔ مگر جب وہ گرفتار ہو کر آتے تو ان کو یاد آجاتا کہ یہ تو ہمارے یہودی بھائی ہیں' ان کو ہم گرفتار کیسے دیکھ سکتے ہیں۔ چنانچہ یہودیوں کا فدیہ ادا کر کے ان کو رہائی دلاتے اور فدیہ ادا کرنے کے لئے چندے جمع کرتے۔ یہود کی اس روش پر تنقید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿افتومنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض﴾ "تو کیا تم کتاب کے ایک حصہ پر ایمان رکھتے ہو اور دوسرے حصے کے منکر ہو۔ پھر اس روش کی سزا کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا: "تم میں سے جو شخص یہ طریقہ اختیار کرتا ہے' اس کی سزا اس کے سوا کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں وہ رسوا ہو اور آخرت میں اس کو سخت عذاب میں ڈالا جائے"۔ یہ اللہ کا ابدی قانون ہے' اس میں کسی کے ساتھ رو رعایت نہیں کی جاتی ہے۔

{۲} امیر جماعت اسلامی کراچی چوہدری غلام محمد مرحوم اس معاملے کو "چمار کے ہاتھوں پٹوانا" کہا کرتے تھے۔

مزید ہو گی۔

یہود کے خواب اور ان کی تعبیر

یہود کے عزائم کو میں تفصیل سے بیان کر چکا ہوں۔ ہمارے ایک ساتھی نے' جو پی آئی اے میں کام کرتے ہیں' ایک چونکا دینے والی بات بتائی۔ پچھلے دنوں وہ اپنی فلائٹ پر بنکاک گئے ہوئے تھے۔ وہاں ٹیلی ویژن پر ایک فلم "Stories of the Bible" دکھائی جا رہی تھی۔ اس فلم میں تاریخی دلائل و شواہد اور اعداد و شمار پیش کئے گئے ہیں۔ اس کے ذریعہ یہودی یہ پرچار کر رہے ہیں کہ ان کا "تابوت سکینہ" {۳} مسجد اقصیٰ کے نیچے ایک سرنگ میں موجود ہے۔ جب بخت نصر نے ہیکل سلیمانی منہدم کیا تھا' یہود کے دعویٰ کے مطابق وہ اسی وقت سے یہاں دفن ہے۔ اسی لئے یہود اسے دوبارہ نکالنے کی کوشش بھی کر چکے ہیں۔ اس میں تو وہ ناکام رہے مگر اب بڑی تیزی سے اس طرف جا رہے ہیں کہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر اور "تابوت سکینہ" کی تلاش میں مسجد اقصیٰ کو منہدم کیا جائے۔ اسرائیل کی سپریم کورٹ فیصلہ دے چکی ہے کہ "یروشلم" اسرائیل کا "اٹوٹ انگ" ہے۔

حالات اب روز روشن کی طرح واضح ہو رہے ہیں۔ جو لوگ احادیث صحیحہ سے استغناء برتتے ہیں ان کی حالت پر مجھے بڑا افسوس ہوتا ہے۔ اب تو حقائق حدیث مبارکہ کی تشبیہ {۴} "مثل فلق الصبح" صبح صادق کی طرح کھل کر سامنے آ گئے ہیں۔

یہود کی جو سزا موخر تھی اس کی تنفیذ کا وقت بھی قریب آ چکا ہے۔ میں ان حقائق کو حکمت قرآن کی بنیاد پر مانتا ہوں۔ احادیث ان کی تائید کرتی نظر آتی ہیں۔ علاوہ ازیں عقل و منطق بھی اسی بات کی تائید کرتی ہے۔ آپ غور کریں کہ یہود کو کون ختم کر سکتا ہے؟ اسرائیل کے پاس کتنے ایٹم بم موجود ہیں؟ مسلمان ممالک میں سے کسی کے پاس ایک بھی نہیں۔ دنیا کو کچھ پاکستان پر شک ہونے لگا ہے کہ اس کے پاس "اسلامک بم" ہے۔ امریکی سینیٹرز بھی آ کر کہہ گئے کہ ہمیں "اسلامک بم" سے بہت خوف آتا ہے۔ لہٰذا اسرائیل اور یہود کو تو وہی آخری درجے کے معجزے ختم کر سکتے ہیں جو حضرت مسیحؑ کو دیئے گئے ہیں۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ حضرت مسیح کی نگاہ جہاں تک جائے گی یہودی پگھلتے چلے جائیں گے۔ یہ الفاظ بھی حدیث میں ہیں کہ اگر کوئی یہودی کسی پتھر کے پیچھے چھپے گا تو وہ پتھر بھی پکارے گا کہ "اے روح اللہ یہ میرے پیچھے ایک یہودی چھپا ہوا ہے" تو گویا ایک دفعہ "گریٹر اسرائیل" قائم ضرور ہو گا مگر پھر وہی ان کا "Greater Graveyard" بھی بنے گا۔

یہ بات بھی عقل و منطق کے عین مطابق ہے۔ چنانچہ یہود کا "دور انتشار" جو ۷۰ء سے شروع ہوا ہے' جس کے بعد یہود پوری دنیا میں دربدر ہو گئے تھے' جہاں جس کے سینگ سمائے چلا گیا' لیکن مختلف ممالک میں پہنچ کر انہوں نے اپنے اڈے بنا لئے اور جم کر بیٹھ گئے۔ اب یہود کو ختم کرنے کے لئے یا تو پوری دنیا پر عذاب لایا جائے یا ان سب کو کہیں سمیٹ کر ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔ یہی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔

اسرائیل کے قیام کے بعد سے انہیں بظاہر مسلسل فتوحات ہو رہی ہے۔ ان کے ہاتھوں عرب مسلمان پٹ رہے ہیں۔ لیکن درحقیقت مشیت ایزدی اس طرح تمام کوڑے کرکٹ کو جھاڑو دے کر ایک جگہ جمع کر رہی ہے تاکہ سب کو ایک ساتھ دیا سلائی دکھائی جا سکے۔ یہی بات سورۂ بنی اسرائیل میں موجود ہے۔ پہلے رکوع میں تاریخ بنی اسرائیل کے چار ادوار کا ذکر ہے جبکہ آخری رکوع میں فرمایا:

﴿فاذا جاء وعد الاخرة جئنا بكم لفيفا﴾

"جب آخرت والے وعدے کا وقت آئے گا تو ہم تم سب (یہود) کو لپیٹ کر لے آئیں گے"۔

دیکھ لیجئے! پوری دنیا سے یہودی اسرائیل کا رخ کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ سب کے سب موجودہ اسرائیل میں تو نہیں سما سکتے۔ لہٰذا "گریٹر اسرائیل" وجود میں لایا جائے گا۔

ان تمام حقائق کے بارے میں اب کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن عہد حاضر میں احادیث نبویہ سے جدید تعلیم یافتہ طبقہ جو استغناء برت رہا ہے' وہ فتنہ انکار سنت اور فتنہ قادیانیت کا نتیجہ ہے۔ اسے ہم "اعتزال جدید" بھی کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ روزنامہ "نوائے وقت" میں جب میرے مضامین شائع ہو رہے تھے تو ان کے حوالے سے ایک لمبا چوڑا خط میرے پاس امریکہ سے آیا۔ خط میں کہا گیا تھا کہ آپ پیشین گوئیوں کی باتیں کر رہے ہیں!! اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ مسلمان ان کے انتظار میں ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہیں؟۔ ان صاحب سے جب خط و کتابت کا سلسلہ چلا تو معلوم ہوا کہ وہ قادیانی ہیں۔ میں نے انہیں جواباً لکھا کہ پیشین گوئیاں صرف احادیث میں نہیں قرآن میں بھی تو ہیں۔ سورۂ روم کی ابتدائی آیات پیشین گوئی پر مبنی نہیں؟ اس پیشین گوئی میں کہا گیا کہ اگرچہ اس وقت رومی قریب کی سرزمین میں مغلوب ہو گئے ہیں لیکن چند سال کے اندر اندر وہ دوبارہ غالب آ جائیں گے اور اس دن مومن بھی اللہ کی دی ہوئی فتح پر خوش ہوں گے۔ یہ پیشین گوئی نو سال میں پوری ہو گئی۔ ایک طرف ہرقل نے یروشلم دوبارہ فتح کر لیا اور ایرانیوں کو شکست فاش دی۔ دوسری طرف بدر میں مسلمانوں کو اللہ نے فتح عظیم اور یوم فرقان (حق و باطل

(باقی صفحہ ۱۵ پر)

{۳} یہود کے تابوت سکینہ کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔ یہ تابوت جو یہود کے دشمنوں کے پاس چلا گیا تھا اس کی واپسی کو "طالوت" کی سرداری کی علامت کے طور پر یہاں بیان کیا گیا ہے۔ اس "تابوت سکینہ" میں کہا جاتا ہے کہ وہ الواح موجود ہیں جن پر تورات لکھی ہوئی حضرت موسیٰؑ کو عطا کی گئی تھی۔ اس کے اندر حضرت موسیٰؑ کے عصا کی موجودگی کا دعویٰ بھی کیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہود اس "تابوت سکینہ" کو بہت مقدس جانتے ہیں اور اس کو اپنی فتح کی علامت تصور کرتے ہیں۔

{۴} حضور ﷺ پر آغاز وحی رویائے صادقہ سے ہوا۔ آپ جو خواب دیکھتے وہ چند دنوں بعد یا اگلے ہی دن وہ واقعہ کی صورت میں ظہور پذیر ہو جاتا۔ اسی بات کو آنحضورؐ نے "مثل فلق الصبح" (صبح صادق کی پو پھٹنے کی مانند) قرار دیا ہے۔

”جھوٹا ہو تو روسیوں جیسا!“

چیچنیائی مجاہدین کی آخری فتح شاید اب زیادہ دور کی بات نہیں

چند سو چیچن مجاہدین نے دارالخلافہ گروزنی پر دوبارہ قبضہ کر کے روس کی فوجی طاقت کا دیوالہ نکال دیا

اخذ و ترجمہ : سردار اعوان

روسی فوجی جب اپنے توپ خانے سے نیچے چیچنیا پر نگاہ دوڑاتے ہیں تو انہیں مشہور روسی قصے کہانیوں پر مشتمل مجرمانہ ذہنیت کے حامل غیر مہذب لوگوں کی بستیوں کے علاوہ کوئی شے دکھائی نہیں دیتی۔ چیچنیا میں انہیں صرف ناقابل رسائی پہاڑ' دھول سے لپٹی سڑکیں اور ماسکو کے ٹینکوں اور ہوائی جہازوں سے تباہ کئے ہوئے دیہات نظر آتے ہیں۔ لیکن چیچنیا والوں کے لئے وہی جگہیں روسیوں کی روسیاہی کی نظارہ گاہ ہیں جنہوں نے مسلسل دو صدیوں سے لڑائی میں مبتلا چیچنیا والوں کو تلوار کے زور پر غلام بنا رکھا ہے۔ چیچنیا والے اس سے مزید ہمت حاصل کرتے ہیں۔

انہوں نے اپنے دیہاتوں کو طویل عرصہ ہونے والی زار کی فوجوں کے خلاف لڑائیوں کے نام دے رکھے ہیں۔ ان کے قبرستانوں میں روس کے خلاف لڑائیوں میں شہید ہونے والے افراد کے مقبرے تعمیر ہیں۔ روسیوں کی ہمیشہ کی کہہ مکرنیاں ضرب المثل بن چکی ہیں۔ ”جھوٹا ہو تو روسیوں جیسا“۔ روس کے خلاف اس گہری عداوت کے سبب جنوبی خطے کے جنگی لیڈروں کو لڑنے کے خواہشمند نوجوانوں کی نہ ختم ہونے والی سپلائی فراہم ہے۔ یہ لوگ دسمبر ۱۹۹۴ء میں چڑھائی کر کے ان کی آزادی سلب کرنے والے روسیوں کے خلاف میدان میں آنے کے لئے ہر وقت تیار کھڑے ہیں۔

اس ماہ چیچنیا کی آزادی کی جنگ لڑنے والوں کو اب تک کی سب سے بڑی فتح نصیب ہوئی ہے' جوش اور جذبے سے لیس چند سو مجاہدین صرف بندوقیں اور گرینڈ لانچر لے کر دیو قامت روسی فوج پر پل پڑے اور اس سے چیچنیا کا دارالخلافہ گروزنی واپس چھین لیا جس پر روس نے پچھلے سال دو ماہ کی مسلسل تگ و دو کے بعد قبضہ کیا تھا۔

چیچنیا والوں کے آہنی عزم اور عزت نفس سے متاثر ہو کر روس کے نئے سیکورٹی چیف الیگزنڈر آئی لیڈ کو گروزنی کی شکست کے بعد نئے امن معاہدے پر مجبور ہونا پڑا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ چیچنیا کے رہنے والے ”بھیڑیئے“ ہیں۔ ”انہیں آزادی کی خاطر لڑنے پر پورا اعتماد ہے۔ انہوں نے اپنے عزیز و اقارب تک قربان کر دیئے ہیں تو اب وہ لڑائی سے پیچھے نہیں ہٹ سکتے“۔

اپنے پیش رو کے برعکس لیڈ چیچنیا کے لیڈروں کے ساتھ ملاقات کے لئے خود چیچنیا گئے ہیں اور اپنی آنکھوں سے اس تباہی کو دیکھا ہے جو روسیوں نے کی ہے۔ چیچنیا والوں اور حواس باختہ' کم تنخواہ یافتہ' بددل روسی فوجیوں کے درمیان فرق کو دیکھ کر ہی انہیں امن کا راستہ اختیار کرنا پڑا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ”ایک مفلس ملک جس کی معیشت' مسلح افواج اور فوجی دستوں پر لرزہ طاری ہو کیوں کر جنگ لڑ سکتا ہے“۔

لیڈ اور چیچنیا کے فیلڈ کمانڈر' اسلان میخوف دو مرتبہ گفتگو کر چکے ہیں اور ایک عارضی جنگ بندی کا آغاز ہو گیا ہے تا کہ گروزنی میں پھنسے ہزاروں لوگ باہر نکل سکیں۔ گروزنی سے چیچنیا اور روسی فوجوں کے انخلا کے مسئلے پر ابھی بات چیت ہونا ہے۔

لیڈ کی صاف گوئی چیچنیا میں پسند کی گئی ہے حالانکہ کسی کو یہ گمان نہیں تھا کہ وہ اس طرح اچانک امن قائم کر دیں گے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کی سمجھ میں آگیا ہے کہ کریملن میں موجود پردے کے پیچھے سے جنگ کی آگ بھڑکانے پر مامور طاقتور حلقے اس صاف گو سابق سپاہی کو مات دینا چاہتے ہیں۔ اس ہفتے گروزنی سے بچ نکلنے والے ایک شہری' آدم آئی خزوف کا خیال تھا کہ ”لیڈ کو شاید چیچنیا کے بھیڑیوں کے ساتھ تو رہنا آگیا ہو لیکن کریملن کے بھیڑیئے اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے“۔

یہ بات سچ ثابت ہوتی نظر بھی آتی ہے۔ چیچنیا میں روس کے عارضی کمانڈر کنسٹنٹن پی پلیکوسکی نے میخوف کے ساتھ جنگ بندی کی تفصیلات طے کرنے پر مجبور کئے جانے پر واضح طور پر اپنے غصہ اور شدید ناراضی کے اظہار کے طور پر منگل کے روز شہریوں کے لئے ۴۸ گھنٹے کی حد مقرر کر دی کہ وہ اس کے اندر اندر گروزنی سے نکل جائیں۔

انہوں نے کہا جمعرات کی صبح کے بعد شہر میں اگر چیچنیا کا کوئی باشندہ نظر آیا تو وہ گولہ باری سے دریغ نہیں کریں گے۔ جس سے چیچنیا والوں کی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ روس گروزنی کو اس کے رہنے والوں سمیت پوری طرح زمین میں دفن کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ چیچنیا کے فوجی راہنما' میخوف نے لیڈ کو توجہ دلائی کہ وہ اس ”پاگل پن“ کا تدارک کرے۔

لیکن یہ واضح نہیں کہ صاف گو لیڈ کا اثر و رسوخ کس حد تک چیچنیا کے مسئلے میں کارآمد ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ان کے اپنے سرپرست' روسی صدر بورس یلسن نے ان کی اس تجویز کو رد کر دیا جو انہوں نے جنگ پسند وزیر داخلہ جنرل انتولی ایس کلیکوف کی برطرفی کے لئے پیش کی تھی۔

منگل کے روز لیڈ نے اپنے آپ کو روسی فوج کے تازہ اقدامات سے لاتعلق رکھنا چاہا۔ ان کے ترجمان' الیگزینڈر برخوف نے انٹرفیکس نیوز سروس کو بتایا کہ ”پلیکوسکی جو کچھ کہہ رہا ہے یا کرنا چاہتا ہے لیڈ کا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔“ لیڈ نے مزید کہا کہ یلسن کے دفتر سے فیکس کے ذریعے اسے جو ہدایات جاری کی گئی ہیں ان کے بارے میں اس سے مشورہ نہیں کیا گیا۔ انہوں نے اسے جلد بازی اور تضاد بیانی پر مبنی قرار دیا اور کہا کہ یہ یلسن کا اپنا کام

(باقی صفحہ ۹ پر)

منحصر مرنے پہ ہو جن کی امید

ایک ہم ہیں کہ لیا اپنی ہی صورت کو بگاڑ

پاکستان کے ایک وزیر اعظم نے کہا تھا : پاکستان میں ملک تو بن سکتے ہیں لیکن صوبے نہیں بن سکتے !

محمد بدر منیر

آیئے بھارت اور پاکستان کا موازنہ کریں !

ہمارے ہاں ایسے خوش فہموں کی کمی نہیں جو بھارت کو بکھرتا ہوا دیکھ رہے ہیں۔ ان کے خیال میں بھارت بہت جلد ٹوٹ پھوٹ کر قبل از مہا بھارت جغرافیائی حدود میں مقید ہو جائے گا۔ یہ حضرات نادلوں کی دنیا میں آباد ہیں۔ پچاس سال سے مسلسل وہ اسی خواب کے سہارے اپنی زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں' لیکن اب تک ان کی امید پوری ہونے کے آثار دکھائی نہیں دے رہے ہیں' بقول غالب

منحصر مرنے پہ ہو جن کی امید
ناامیدی ان کی دیکھا چاہئے

پچاس سال میں بھارت بہت تبدیل ہو چکا ہے۔ اور پاکستان میں بھی بنیادی اور اہم تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں۔

بھارت نے پچاس سال کے دوران مروجہ جمہوری اقدار کو مضبوط بنیادوں پر اس طرح قائم کر دیا ہے کہ اسے کوئی بھی زلزلہ متاثر نہیں کر سکتا' اب تک جتنے بھی عام انتخابات ہوئے وہ سب کے سب غیر متنازعہ ہیں' جب کہ ہمارے ہاں کوئی بھی انتخاب ایسا نہیں جو متنازعہ نہ ہو' بھارت کا ایک ہی آئین ہے جسے سب تسلیم کرتے ہیں ہمارے ہاں کم از کم تین آئین منسوخ یا معطل ہو چکے ہیں اور موجودہ آئین بھی ترمیم در ترمیم کے آکسیجن ٹینٹ میں سانس لے رہا ہے' ان کی عدلیہ اتنی مضبوط اور باوقار ہے کہ اس نے کوئی "نظریہ ضرورت" ایجاد نہیں کیا اور اس کے فیصلوں کا سب ہی احترام کرتے ہیں یہاں تک کہ بھارتی سپریم کورٹ نے حوالہ کیس میں جو فیصلہ کیا اس سے بھارت کی فرقہ پرست جماعت بی جے پی کو سخت دھچکا لگا لیکن اس نے بھی اس فیصلے کو خندہ پیشانی سے تسلیم کیا حالانکہ بی جے پی کے پاس اس فیصلے کو متنازعہ بنانے کا ایک "جواز" موجود تھا یعنی چیف جسٹس مسلمان تھے اور وہ محض اس نکتے پر طوفان کھڑا کر سکتی تھی لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ بھارت میں کبھی مارشل لاء نہیں لگا' اور نہ کبھی فوجی سربراہوں کی میعاد ملازمت یا میعاد عہدہ میں کوئی توسیع کی گئی یہاں تک کہ مشرقی پاکستان کے "فاتح" جنرلوں کو بھی اپنی مقررہ میعاد پوری ہونے پر اپنے گھر کی راہ لینی پڑی۔ جبکہ ہمارے ہاں دو فوجی سربراہ مسلسل علی الترتیب چودہ سال اور تیرہ سال تک فوج کی سربراہی پر بذریعہ توسیع قائم و برقرار رہے' انتظامیہ میں کرپشن ہے لیکن یہ کرپشن اتنی انتہا کو نہیں پہنچی اور نہ اس کے پہنچنے کی فوری توقع ہے کہ لوگ انتظامیہ اور ملک سے بیزار ہو جائیں۔ بھارت میں انتظامی بنیادوں پر صوبوں کے قیام کو یا ان کی حدود میں ردوبدل کو "حب الوطنی" کا مسئلہ نہیں بنایا گیا جہاں بھی ضرورت ہوئی یا عوامی دباؤ بڑھا حکمرانوں نے نیا صوبہ بنانے میں کوئی تاخیر نہیں کی۔ مثلاً بھارتی صوبہ آسام اب سات صوبوں میں تقسیم ہو چکا ہے' بھارتی پنجاب تین صوبوں میں اور جنوبی ہند میں کئی نئے صوبے وجود میں آ چکے ہیں۔ انہوں نے ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا سبق بھی تاریخ سے حاصل کیا ہے' چنانچہ کئی صوبوں میں غیر کانگریسی حکومتیں تیس تیس سال سے قائم ہیں' نہ انہیں غدار کہا گیا اور نہ ان کے ترقیاتی فنڈز روکے گئے اور نہ انہیں اقتدار سے باہر نکال کرنے کے لئے کوئی کوششیں کی گئیں' بھارت کی مرکزی حکومت بنگال میں کمیونسٹ حکومت کے خلاف' کیرالہ میں مسلم لیگ کی حکومت کے خلاف اور مدراس میں ہندی زبان کی مخالف جماعت کے خلاف ایکشن کر سکتی تھی لیکن اس نے ایسا نہیں کیا' اس نے مقبوضہ کشمیر اور اپنے پنجاب میں فوجی ایکشن کیا اور اپنی اس غلطی کو (پنجاب کی حد تک) علانیہ تسلیم کیا اور اب وہ بالواسطہ طور پر مقبوضہ کشمیر میں بھی اپنی غلطی کا ازالہ کرنے کی کوشش کر رہی ہے اور اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ایک اچھوت دیوگوڑا کو وزیر اعظم اور ملک کے لیڈر کے طور پر تسلیم کر لیا ہے اور اس پر اونچی ذات کے ہندو لیڈروں نے کوئی احتجاج نہیں کیا۔ اس اقدام سے بھارتی لیڈروں نے سب سے بڑا فائدہ یہ حاصل کیا ہے کہ اچھوتوں میں تبدیلی مذہب کی رفتار مدھم پڑتی جا رہی ہے اور ہو سکتا ہے آئندہ دس برسوں میں وہ چھوت چھات کو کم از کم سیاست کی حد تک ختم کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ ۲۰ سال قبل کوئی اس کا تصور تک نہیں کر سکتا تھا' گاندھی جی کے ساتھی اور بھارت کے ایک تجربہ کار لیڈر جگ جیون رام نے کہا تھا--- "بھارت میں کوئی چمار وزیر اعظم نہیں بن سکتا"--- لیکن اب چمار سے بھی کم تر درجے کا پیشہ رکھنے والے ایک سیاست دان کو بھارت کے ستر کروڑ عوام کا لیڈر تسلیم کر لیا گیا ہے جبکہ ہم شیخ مجیب الرحمٰن کو محض بنگالی ہونے کے باعث وزیر اعظم تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے' ملک توڑ دیا لیکن اسے چند برس کے لئے وزیر اعظم ماننے پر آمادہ نہ ہوئے۔

کیا آج پاکستان میں کوئی تصور کر سکتا ہے کہ کوئی غیر سندھی سندھ کا وزیر اعلیٰ یا کوئی غیر بلوچ بلوچستان کا وزیر اعلیٰ بن سکے۔ صوبوں کے مطالبے پر غداری کے الزامات لگائے جاتے ہیں اور لاشوں کے انبار لگانے کی دھمکیاں دی جاتی ہیں--- پاکستان کے ایک وزیر اعظم نے شاید درست ہی کہا تھا کہ--- "پاکستان میں مزید ملک تو بن سکتے ہیں لیکن صوبے نہیں بن سکتے"--- اگر صوبائی بنیادوں پر سوچا جائے تو ملک کو کم از کم چھ صوبوں یا چھ ملکوں میں تقسیم ہونا چاہئے اور مذہبی فرقہ وارانہ بنیادوں پر تو تقسیم بہتر (۷۲) صوبوں تک پہنچ سکتی ہے۔

ہمارے اس طرز عمل نے نہ صرف یہ کہ بھارتی مسلمانوں کو ہم سے بیزار کر دیا ہے بلکہ بنگلہ دیش میں اور اراکان کے مسلمانوں کا ردعمل بھی کچھ حوصلہ افزا نہیں' اسلامی نظام کے نفاذ کے حوالے سے ملائشیا ہمارے مقابلے میں کہیں آگے ہے حالانکہ وہاں نہ جلوس نکالے گئے' نہ گولیاں چلائی گئیں اور نہ ہزاروں کی تعداد میں لاشیں گرائی گئیں۔ ہمارے ہاں عدلیہ کا کھلم کھلا مذاق اڑایا جاتا ہے' فوج کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کی جا رہی ہیں' بعض جنرلوں پر اس لئے بے رحمانہ تبصرے کئے جاتے ہیں کہ انہوں نے مارشل لاء لگایا اور ایک جنرل کو اس لئے سنگ دلانہ الزامات کا ہدف بنایا جا رہا ہے کہ اس نے مارشل لاء کے کئی جواز رکھنے اور مارشل لاء نافذ کرنے کا اختیار رکھنے کے باوجود مارشل لاء نہیں لگایا اور جمہوریت کا پودا پروان چڑھانے' عوام کے منتخب نمائندوں کو اقتدار منتقل کرنے میں بھرپور مدد کی اور فوج کو "بوناپارٹ ازم" سے اتنا دور کر دیا کہ اس کے بعد یکے بعد دیگرے تین چیف آف سٹاف آئے اور ان میں سے دو چلے گئے اور تیسرے چیف آف اسٹاف کی بھی پوری توجہ پیشہ ورانہ فرائض کی انجام دہی تک محدود ہے۔

ہم کشمیریوں کے حق خود ارادیت کی باتیں کرتے ہیں لیکن خود آزاد کشمیر میں ہم نے کیا رویہ اختیار کر رکھا ہے وہ سب کے سامنے ہے۔

ان حالات میں جبکہ ہم ظلم و ستم اور ناانصافی کی تمام حدود پھلانگ چکے ہیں' ہمیں بھارت کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کا خواب دیکھنے کی بجائے اپنی سلامتی کی فکر کرنی چاہئے۔ خانہ جنگی اور خونیں انقلاب کی باتیں کرنے کی بجائے امن و سلامتی کے بارے میں غور و فکر کرنے کی زیادہ ضرورت ہے۔ ہمارے حکمرانوں کو بھی سوچنا چاہئے کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور کیوں کر رہے ہیں؟

آیئے اس ضمن میں جناب مختار مسعود کی کتاب "آواز دوست" سے ایک طویل اقتباس ملاحظہ فرمایئے۔

"اہل اقتدار و اہل اختیار کی زندگی میں ایک دروازے سے اقتدار و اختیار داخل ہوتے ہیں اور دوسرے سے اعتدال و توازن رخصت ہو جاتے ہیں۔ جس نقار خانے میں نعروں' تالیوں اور آمنا صدقنا کا شور ہو وہاں اعتدال کی حیثیت طوطی سے بھی کم تر ہوتی ہے' حاضر جناب اور حاضر باش غرض مندوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگ جاتے ہیں حق گو جو تنہائی پسند ہوتے ہیں اس بھیڑ سے چھٹ جاتے ہیں' اہل اقتدار کے کان کلمہ حق سے محروم ہو جاتے ہیں اور کچھ عرصہ بعد یہ کلمہ اتنا نامانوس ہوتا ہے کہ نہ اسے

"بھارت میں انتظامی بنیادوں پر صوبوں کے قیام کو یا ان کی حدود میں ردو بدل کو "حب الوطنی" کا مسئلہ نہیں بنایا گیا جہاں بھی ضرورت ہوئی یا عوامی دباؤ بڑھا حکمرانوں نے نیا صوبہ بنانے میں کوئی تاخیر نہیں کی"

سننے کی تاب رہتی ہے اور نہ سمجھنے کی توفیق ہوتی ہے' ہر وقت آگے چلنا' اونچا بیٹھنا' پہلے بولنا اور آخری حکم لگانا زہر کی طرح خون میں سرایت کر جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اسی لئے خدام کے قدموں کی چاپ کو مہلک قرار دیا تھا' مگر یہ نکتہ ہر ایک کی گرفت میں نہیں آتا' اہل اقتدار اپنے امتیازات کے بے بس قیدی بن جاتے ہیں' اس قید سے صرف اس شرط پر محفوظ رہ سکتے ہیں کہ دن میں پانچ بار محمود و ایاز ایک ہی صف میں کھڑے ہو جائیں اور اگر ایک اونٹ میسر آئے تو کبھی خلیفہ چڑھے اور کبھی غلام باری لے۔

اہل اقتدار کا ذکر ہو تو مجھے بے اختیار "کوبے وعف" یاد آ جاتا ہے۔ کوبے جاپان کا مشہور شہر ہے جہاں سے بڑا گوشت سوغات کے طور پر دساور بھیجا جاتا ہے۔ یہ گوشت اس بیل کا ہوتا ہے جسے پیدائش سے ذبح ہونے تک پینے کے لئے پانی کا ایک قطرہ تک نہیں دیا جاتا' اس کی پرورش بڑے اہتمام سے ہوتی ہے' دودھ چھڑاتے ہیں تو شراب پر ڈال دیتے ہیں اور وہ تمام عمر پانی کی بجائے شراب پیتا رہتا ہے' اس کی بدمستی قابل دید ہوتی ہے' بہکی بہکی نظریں' بوجھل پلکیں' ڈگمگاتے قدم' پینے والے اس پر رشک کرتے ہیں اور کھانے والے اسے دیکھ کر منہ میں پانی بھر لاتے ہیں۔ یہ بیل کب تک خیر مناتا' بالآخر ذبح کیا جاتا ہے اور اس کے پارچے خوش خور لوگوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ اہل اقتدار کی صورتحال اور قسمت بسا اوقات اس بیل کی طرح ہوتی ہے۔ اقتدار کی سرمستی' اختیار کا نشہ قوت کا غرور اور امتیازات کا سرور ان کی رگ و پے میں سما جاتا ہے' آنکھوں اور عقل دونوں پر پردہ پڑ جاتا ہے' ان کے چرچے بھی ہوتے ہیں' کم نظر ان پر رشک بھی کرتے ہیں یہاں تک کہ مقرر وقت آن لگتا ہے' ان کو جان سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے اور لوگ ہیں کہ بوٹیاں نوچ لیتے ہیں!"

تاریخ کے صفحات کھولے جائیں تو زیادہ تر صفحات ایسے ہی اہل اقتدار کے تذکروں سے بھرے ہوئے ہیں۔ ایسے اہل اقتدار انقلاب کی پسندیدہ ترین خوراک ہوتے ہیں۔ تاریخ ایسی مثالوں سے بھری ہے لیکن مسلمانوں کی تاریخ کا ایک واقعہ تماشائے عبرت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے' آخری اموی خلیفہ مروان مقتول ہوا اور اس کا سر اس زمانے کے رواج کے مطابق عباسی خلیفہ سفاح کے قدموں میں ڈال دیا گیا' سفاح حیرت سے اس سر کو دیکھنے لگا جس کے سر پر کل سہ پہر تک تاج زریں تھا اور اس کا ہر حکم حرف آخر ہوتا تھا' اس کی زبان سے نکلنے والے ہر حکم کی لفظ بہ لفظ تعمیل کی جاتی تھی۔ ابھی سفاح اس سر کو دیکھ ہی رہا تھا کہ کہیں سے ایک بلی آ نکلی اور وہ اس زبان کو اس کے تالو سے نوچ کر لے گئی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔!

بقیہ : واقعات عالم

معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن صدارتی دفتر نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ وفاقی حکام بندوق بردار چیچنیا والوں کی دھونس کے آگے جھکنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے اور بات چیت اسی صورت میں آگے بڑھے گی کہ وہ گروزنی میں وفاقی فوجی دستوں کا گھیراؤں ختم کر دیں۔ دفتر کی طرف سے واضح کیا گیا کہ یلسن کو کسی مشورے کی ضرورت نہیں۔

اس وقت جبکہ روسی فوجیں دارالخلافہ گروزنی خالی کر کے جا رہی ہیں ماسکو کے صلح جو' انگیزنڈر لبڈ اور چیچنیا کے ملٹری چیف اسلان میخوف' اس علاقے کے مستقبل کے بارے میں کسی نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تازہ اطلاعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ چیچنیائی مجاہدین کی آخری فتح شاید اب زیادہ دور کی بات نہیں۔ (واللہ اعلم)

(بشکریہ : ڈان)

یہ خیال کہ پوری قوم اسلام نافذ کرنے کے حق میں ہے، محض مغالطہ ہے

دینی جماعتوں کا الیکشن میں حصہ لینا بہت بڑی غلطی تھی، اس غلطی کے امام اعظم مولانا مودودی تھے

مسلمانوں میں دین سے غداری کے سب سے بڑے مجرم آج اہل عرب ہیں

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا زیر نظر انٹرویو اسلام آباد سے شائع ہونے والے سہ ماہی مجلے "وحدت" کی حالیہ اشاعت میں شائع ہوا ہے۔ یہ انٹرویو "وحدت" کے مدیر اعلیٰ جناب بدر منیر نے لیا۔ ان کی جانب سے ادارتی نوٹ اس انٹرویو کے ساتھ شائع ہوا وہ بھی یقیناً قابل مطالعہ ہے۔ ملاحظہ ہو:

"پاکستان میں قائم شدہ دینی و مذہبی تنظیموں میں "تنظیم اسلامی" اس لحاظ سے قابل ذکر ہے کہ یہ تنظیم مروجہ طریقہ انتخاب پر یقین نہیں رکھتی بلکہ وہ سرے سے انتخاب پر ہی یقین نہیں رکھتی کیونکہ تمام انقلاب پسندوں کی طرح اس تنظیم کا یقین بھی اس بات پر ہے کہ کوئی بھی نظریہ انتخاب کے ذریعے نہیں بلکہ انقلاب کے ذریعے اپنے مقاصد پورے کر سکتا ہے، خواہ وہ کمیونسٹ انقلاب ہو یا اسلامی انقلاب۔ کمیونسٹ انقلاب کے لئے روس، چین اور مشرقی یورپ کے ممالک اور اسلامی انقلاب کے لئے ایران کی مثال پیش کی جاتی ہے۔ تنظیم اسلامی کے سربراہ ڈاکٹر اسرار احمد اس انقلاب کے لئے زبان و قلم کے ذریعے تبلیغ و تلقین کر رہے ہیں۔ وہ خلافت راشدہ کے دور سعادت کا احیاء کرنے کے لئے مسلمانوں کو منظم کرنا چاہتے ہیں جو ہر مسلمان کا سب سے قیمتی متاع ہے اور اس خواب کی تعبیر حاصل کرنے کے لئے پاکستان قائم کیا گیا تھا"۔ (ادارہ)

☆ ڈاکٹر صاحب! کم و بیش نصف صدی سے پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے جدوجہد کی جا رہی ہے لیکن صورت حال یہ ہے کہ اس ضمن میں پیش رفت ہونے کی بجائے پسپائی کا عمل جاری ہے۔ ایک ایسے ملک میں جہاں کی آبادی پچانوے فی صد مسلمان ہے، ماشاءاللہ حکمرانوں اور انتظامیہ کی بھرپور اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے، عدلیہ، پولیس اور فوج سب کے سب مسلمان ہیں اگر وہاں اسلامی نظام کا نفاذ نہیں ہو سکتا تو کیا ہمارے مخالفین یعنی اسلام کے مخالفین اگر یہ کہیں کہ جب اسلام اتنی بڑی اکثریت والے مسلمان ملک میں نافذ نہیں ہو سکتا تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی نظام ناقابل عمل ہے پہلے تو یہ کہا جاتا تھا کہ بنگالیوں کی وجہ سے اردو کو پاکستان کی سرکاری زبان نہیں بنایا جا سکتا اور اسلامی نظام نافذ نہیں کیا جا سکتا لیکن اب تو بنگالیوں کو پاکستان سے نکالے ۲۵ سال ہو چکے ہیں۔ اب آخر کیوں اسلامی نظام نافذ نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ بنگال کو علیحدہ کئے جانے کے بعد اسلامی نظام کی منزل اور بھی دور ہوتی جا رہی ہے؟ کیا سب مل کر اسلام کے مخالفین کی مذکورہ بالا رائے کو تقویت دینے میں مصروف نہیں ہیں؟

○ اگر اسلام کے مخالفین یہ چاہیں تو وہ یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں۔ دراصل یہ مغالطہ ہے کہ پوری قوم اسلامی نظام نافذ کرنے کے حق میں ہے۔ اکثریت کا تو یہ حال ہے کہ وہ اسلامی اصولوں پر عمل کرنے سے گریز کی راہ اختیار کر رہی ہے۔ اکثریت زبانی جمع خرچ کے طور پر اسلامی نظام کی باتیں کرتی ہے، محض خود پر سے بوجھ ٹالنے کے لئے.... ورنہ اگر اکثریت چاہے تو اسلامی نظام کی راہ میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہو سکتی۔ مثلاً شرعی پردہ اختیار کرنے، رشوت نہ لینے اور نہ دینے کی راہ میں کیا رکاوٹ حائل ہو سکتی ہے۔ میرا تجزیہ یہ ہے کہ لوگوں نے اسلام کو محض عقائد کی پوٹلی سمجھ لیا ہے۔ جن سے توقع تھی کہ وہ اسلامی نظام نافذ کرنے کی سنجیدہ کوششیں کریں گے یعنی مذہبی جماعتیں اور علمائے کرام انہیں شیطان نے ایسی الٹی پٹی پڑھائی کہ وہ الیکشن کے میدان میں کود کر پاور پالیٹکس کا جزو بن گئے، قیام پاکستان سے قبل اور بعد میں اسلام کے نام پر مسلمانوں کے ووٹ توڑے مسلم لیگ ایک دینی یا مذہبی نہیں بلکہ قومی جماعت تھی۔ اس نے ایک قومی ملک بنانے میں کامیابی حاصل کی جب کہ اسلامی نظام نافذ کرنے کی ذمہ داری مذہبی جماعتوں پر عائد ہوتی تھی لیکن الیکشن میں حصہ لینے کے باعث ان کی قوت بٹ گئی اور اسلام بھی منتشر ہو گیا، جس سے فرقہ واریت میں شدید اضافہ ہوا۔ اس غلطی کے امام اعظم مولانا مودودی تھے، انہوں نے جب تک الیکشن میں حصہ نہیں لیا تھا ان کے مطالبہ دستور اسلامی کی حمایت سب نے کی اور خاص طور پر مسلم لیگی علمائے کرام اور بالخصوص شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نے جن کی مساعی سے قرارداد مقاصد منظور ہوئی۔ جملہ مکاتب فکر کی اعلیٰ ترین قیادت نے دستور سازی کے متفق علیہ ۲۲ نکات دیئے لیکن جب ۱۹۵۱ء میں جماعت اسلامی انتخابی اکھاڑے میں کود پڑی تو وہ خود اقتدار کی کشمکش میں ایک فریق بن گئی۔ میرے نزدیک یہ ہمالیہ جیسی غلطی تھی جو مولانا مودودی سے نیک نیتی لیکن خوش فہمی کے باعث سرزد ہوئی۔ بعد میں دوسری جماعتوں نے بھی انتخابی اکھاڑے کی راہ لی۔ بقول شاعر

آؤ ناں ہم بھی کریں سیر کوہ طور کی
یہ الگ بات ہے کہ ملا سب کو ایک ہی جیسا جواب

☆ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ دینی جماعتوں کا اتحاد اس سلسلے میں، میرا مطلب ہے اسلامی نظام کے نفاذ میں، کوئی موثر کردار ادا کرنے کی پوزیشن میں ہے؟

○ سب سے پہلے تو میں یہ عرض کر دوں کہ پاکستان میں دینی جماعت صرف جماعت اسلامی ہے باقی سب مذہبی یا مسلکی تنظیمیں ہیں۔ میرا تجزیہ یہ ہے کہ مذہبی جماعتوں کا اثر و رسوخ اتنا کم ہو چکا ہے کہ اول تو ان کے درمیان اتحاد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر بفرض محال وہ متحد ہو بھی جائیں تو ان کا حاصل جمع کوئی فیصلہ کن کردار ادا نہیں کر سکتا۔ گزشتہ چند برسوں میں یہ مثبت تبدیلی ہوئی ہے کہ ملک میں صرف دو بڑی سیاسی جماعتیں رہ گئی ہیں۔ ایک پیپلز پارٹی اور دوسری مسلم لیگ، اور یہ دونوں

جماعتیں خالص سیکولر ہیں۔ نواز شریف صاحب اب بھولے سے بھی اسلام کا نام نہیں لیتے۔

ہمارے ملک میں بالخصوص اور مسلم ملکوں میں بالعموم سیکولرازم اور مذہبی جماعتوں کے درمیان جو کشمکش تھی اس کے نتیجے میں ایک جمود سا تھا کہ ہم نہ مذہب کی طرف بڑھ رہے تھے اور نہ سیکولرازم کی طرف۔ لیکن اسلامی جمہوری اتحاد یا آئی جے آئی کی ناکامی کے بعد وہ جمود ٹوٹ گیا ہے اور ملک و قوم کی گاڑی سیکولرازم کی جانب رواں دواں ہے جس کا رخ کوئی انقلابی تحریک ہی موڑ سکتی ہے۔

جماعت اسلامی کے زیر اثر نوجوانوں میں انقلابی تحریک چلانے کی صلاحیت تو موجود ہے۔ لیکن جماعت اسلامی کی قیادت کی سیاست نے اسے بے اثر کر دیا ہے۔ لیکن اب میں اپنی تنظیم کے ذریعے ایک ٹھیٹھ اسلامی انقلابی جدوجہد کے لئے ناگزیر بنیادی ضروریات فراہم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ناگزیر بنیادی ضرورت سے میری مراد یہ ہے کہ ایک معتدبہ تعداد میں جس کی کم سے کم تعداد ایک لاکھ ایسے لوگوں کی فراہمی ہے جن کا ایمان عقیدے سے بڑھ کر یقین کی شکل اختیار کر چکا ہو۔ اور پھر وہ اپنی ذات اور اپنے گھر میں اسلامی اصولوں کو نافذ کرے' اپنی معاش اور معاشرت کو اسلامی سانچے میں ڈھالے اور پھر وہ ایک شخص کے ہاتھ پر سمع و طاعت کی بیعت کرے۔ اس طرح جو منظم قوت فراہم ہو وہ اسلامی انقلاب کی راہ ہموار کرے اور جب تک مطلوبہ تعداد پوری نہیں ہوتی دعوت اور تربیت کے ساتھ زبان و قلم کے ذریعے برائیوں اور منکرات کے سدباب کی کوشش جاری رکھی جائے' اور جب مطلوبہ تعداد پوری ہو جائے تو پرامن سول نافرمانی کے ذریعے حکومت کے ڈھانچے کو تبدیل کر دے۔ جیسا کہ گاندھی نے ابتداء کی تھی لیکن ایران میں آیت اللہ خمینی کے ہاتھوں اس کی انتہا ہوئی۔

☆ ڈاکٹر صاحب یہ تو ایک طویل پروگرام ہے جس کی تکمیل میں سالہا سال صرف ہو سکتے ہیں' کیا آپ کے پاس کوئی کریش یا ہنگامی پروگرام نہیں ہے؟

○ جی نہیں! ہمارے پاس کوئی ہنگامی پروگرام نہیں ہے۔ المیہ یہ ہے کہ ہندوؤں نے تو بڑے گہرے کام کئے انہوں نے ادارے قائم کئے ہیں جب کہ ہم لوگ صرف ہوائی تحریکیں چلاتے رہے ہیں جن کی کوئی مضبوط بنیاد نہیں تھی۔ مثال کے طور پر راشٹریہ سیوک سنگ ہندوؤں نے خاکسار تحریک کے ردعمل میں قائم کی اور وہ آج تک قائم ہے جبکہ خاکسار تحریک آندھی کا ایک جھونکا ثابت ہوئی۔ راشٹریہ سیوک سنگ نے خود الیکشن میں حصہ نہیں لیا بلکہ اس نے اپنے نظریات کے مطابق قومی تعمیر کی طرف زیادہ توجہ دی۔ انہوں نے محاذ وغیرہ نہیں بنائے اور اپنے بنیادی مقصد سے انحراف نہیں کیا۔

☆ افغانستان سے روسی فوج کو گئے ہوئے نو سال بیت چکے ہیں لیکن اب تک افغانستان میں خانہ جنگی ختم نہیں ہوئی؟ آپ کا بھی کسی نہ کسی حوالے سے اس جنگ سے تعلق رہا ہے اور مجاہدین کی متعدد تنظیموں سے آپ کا رابطہ بھی رہا۔ کیا آپ اس خانہ جنگی کی وجوہ' اس کے خاتمے کے امکانات اور افغانستان کے مستقبل قریب کے بارے میں اپنا تجزیہ بیان فرما سکتے ہیں۔

○ افغانستان کے ضمن میں جہاں تک اسلامی جہاد کا تعلق ہے میں نے اسے کبھی غیر مشروط اسلامی جہاد قرار نہیں دیا۔ افغانستان کی صورت حال کے قریبی پس منظر کا جائزہ لیا جائے تو سب سے پہلے وہ طبقہ سامنے آتا ہے جس نے ظاہر شاہ کی حکومت کا تختہ الٹا تھا اور بھٹو نے بھی اس کی حمایت کی تھی لیکن جب روس نے افغانستان میں فوجی مداخلت کی اور لوگ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تو میں ان کے اس جہاد کو خالص اسلامی جہاد قرار دیتا ہوں لیکن جو لوگ محض آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں ان کے جہاد کو میں جہاد حریت تو قرار دیتا ہوں لیکن جہاد فی سبیل اللہ نہیں۔ افغانستان سے جو پرندے ہر سال سردی کا موسم گزارنے پاکستان آیا کرتے تھے وہ بھی مہاجرین بن گئے اور پھر ناجائز اسلحہ فروشوں' اسمگلروں اور ہیروئین فروشوں' اور ہیروئین کے تاجروں کی بھی آمد شروع ہو گئی۔ اسی میں سے پہلے دو گروپ اگر کسی ایک قیادت پر متحد ہو جاتے تو وہ بہت بڑی کامیابی حاصل کر سکتے تھے۔ سب سے بڑھ کر قابل افسوس بات یہ ہے کہ انہوں نے حرم شریف میں ایک شخص کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کی خلاف ورزی کی جس کی سزا انہیں مل رہی ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ جلد یا بدیر اگر پورے افغانستان میں نہیں تو اس کے ایک بڑے حصے میں صحیح اسلامی حکومت قائم ہو گی اور اس کے لگ بھگ پاکستان میں بھی اسلامی انقلاب آئے گا اور یہ دونوں طاقتیں مل کر اس عالمی خلافت کا حصہ بنیں گی جن کی واضح پیشگوئیاں احادیث نبویؐ میں موجود ہیں۔

☆ اس کا مطلب ہے افغانستان تقسیم ہو سکتا ہے؟

○ جی ہاں!

☆ مقبوضہ کشمیر میں گزشتہ سال سے حصول آزادی کے لئے جدوجہد کی ایک نئی لہر اٹھی ہے۔ اس دوران ہزاروں کشمیری شہید کئے جا چکے ہیں' بھارت کے سات لاکھ کے لگ بھگ فوجی مقبوضہ علاقے میں اس جدوجہد کو کچلنے میں مصروف ہیں۔ اقوام متحدہ کی قراردادیں ریکارڈ پر اور اس کے مبصرین کشمیر کے دونوں طرف موجود ہیں۔ ان حالات میں آپ کیا محسوس کرتے ہیں؟ کشمیر کی آزادی کے لئے یہ نئی جنگ کیا رخ اختیار کر سکتی ہے؟ آپ اس دیرینہ اور پیچیدہ مسئلے کا کیا حل پیش کرتے ہیں؟

○ کشمیر کے ضمن میں اس وقت میری رائے یہ ہے کہ امریکہ بالفاظ دیگر نیو ورلڈ آرڈر یا بالفاظ دیگر عالمی صیہونیت کشمیر کو ایشیا کے قلب میں ایک دوسرا اسرائیل بنانا چاہتے ہیں تاکہ یہاں سے پاکستان' افغانستان' چین' ایران' بھارت اور وسط ایشیاء بالخصوص روسی ترکستان کو کنٹرول کیا جا سکے۔ اسی لئے اس کے زیر اثر گزشتہ چند سال سے کشمیر کو ایک زندہ مسئلہ تسلیم کیا گیا اور اس کے ساتھ ہی تھرڈ آپشن کی بات شروع ہو گئی۔ امریکہ کی بدنیتی کا شاید بھارت کی قیادت کو صحیح اندازہ ہو گیا ہے لیکن ہمارے قائدین خواہ وہ حکومت میں ہیں یا اپوزیشن میں دانستہ یا نادانستہ طور پر اس سے اغماض برت رہے ہیں۔ بنابریں میری رائے یہ ہے کہ پاکستان اور بھارت باہمی مذاکرات کے ذریعے چین و ایران کی مدد سے یہ مسئلہ حل کریں اور اس کی عملی شکل یہ ہو کہ اس کو تقسیم ہند کا نامکمل ایجنڈا سمجھا جائے۔ اور جس طرح ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کی تقسیم کے ساتھ ہی دو صوبوں کی تقسیم ہوئی تھی اسی طرح کشمیر کو بھی تقسیم کیا جائے۔ غیر مسلم اکثریت کا علاقہ بھارت میں' مسلم اکثریت کا علاقہ پاکستان میں شامل ہو اور اگر یہ ناممکن ہو تو جو علاقے اس وقت آزاد ہیں وہ پاکستان میں رہیں غیر مسلم اکثریت کے علاقے بھارت میں اور صرف وادی کشمیر میں ریفرنڈم کرا دیا جائے یا صرف وادی کی حد تک تھرڈ آپشن ہو تو کوئی ہرج کی بات نہیں۔ بہرصورت یہ مسئلہ اقوام متحدہ یا امریکہ سے بالا بالا ہی طے کیا جائے۔

☆ پاکستان اور بنگلہ دیش سے باہر برصغیر میں مسلمانوں کا مستقبل کیا ہے؟

○ اس کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ ہندو بنیاد پرستی کا سیلاب کروڑوں مسلمانوں کو ختم کر دے

اور اگر ایسا ہو گیا تو مذہبی جنون کی پیاس بجھنے کے بعد اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی اکثریت اسلام قبول کر لے گی اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز اسی خطے سے ہو گا لیکن دوسری صورت یہ ہے کہ افغانستان اور پاکستان میں اسلامی حکومت قائم ہو اور پھر یہیں یہود کے خاتمہ کے لئے بھی قوت فراہم ہو اور ہندوستان کی فتح کے لئے بھی۔

☆ میری مراد برصغیر سے باہر عالم اسلام اور بالخصوص عالم عرب سے ہے آخر یہ ممالک اسلام کی نشاۃ ثانیہ میں کوئی بھرپور کردار کیوں ادا نہیں کر رہے ہیں جبکہ ان کے پاس دنیاوی وسائل کی بھی کوئی کمی نہیں ہے اور اسلامی ورثہ تو ہم سے زیادہ انہیں کے پاس ہے؟

○ عالم اسلام گزشتہ چھ سات سو سال سے مسلسل زوال پذیر ہے۔ وہ منتشر ہے اور کہیں بھی اور کسی بھی شعبے میں متحد اور مستحکم نہیں ہے۔ میرے نزدیک پاکستان اور افغانستان ہی سے عالم اسلام کے اتحاد کا آغاز ہو گا جو دراصل پوری عالم انسانیت کا اتحاد ہو گا۔ اسی ایک خطہ ارضی سے آں حضورؐ اور خلافت راشدہ کے دور کا اسلام زندہ و بیدار ہو گا۔ عالم عرب پر شدید عذاب الٰہی آئے گا بلکہ میرے خیال میں وہ اس عذاب میں مبتلا ہو چکے ہیں جس کا ذکر احادیث نبویہؐ میں ہے۔ اس لئے کہ مسلمانوں میں سب سے بڑے مجرم اہل عرب ہیں کہ ان کے پاس ان کی مادری زبان میں کتاب الٰہی موجود ہے لیکن پھر بھی انہوں نے اپنا امام قرآن کو نہیں بنایا بلکہ کسی نے ماسکو سے اور کسی نے واشنگٹن کا رخ کیا ہے۔ دوسرے نمبر پر پاکستان ہے کہ یہ ملک برعظیم ہند کی نہایت خونیں تقسیم کے بعد اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا ہے۔ قمری حساب سے قیام پاکستان کو نصف صدی گزر چکی ہے' لیکن یہاں اسلامی نظام کے نفاذ کے ضمن میں کچھ بھی نہیں کیا گیا۔ ہو سکتا ہے ان پر عذاب الٰہی ہنود کے ذریعے آئے یا کسی اور ذریعے سے۔ امید کی جانی چاہئے کہ اللہ اس کے بغیر ہی پاکستان کے مسلمانوں اور حکمرانوں کو توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔○○

☆ جس شخص میں غور و فکر کی عادت ہے وہ اپنی روح سے کلام کرتا ہے۔

☆ اپنی اصلاح سب سے مشکل کام ہے اور دوسروں پر نکتہ چینی سب سے آسان۔

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی جانب سے اتحاد کی پیشکش اور تحریک اسلامی کے امیر مولانا مختار گل

مولانا مختار گل سے روزنامہ "خبریں" کے خصوصی نمائندے احمد جبران کے انٹرویو کا متعلقہ حصہ

(ماخوذ از خبریں جمعہ میگزین' ۲۲/ اگست)

"تحریک اسلامی کے امیر مولانا مختار گل سے بات چیت کے لئے جب ہم ان کی قیام گاہ پہنچے تو وہاں تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت کے سربراہ ڈاکٹر اسرار احمد بھی آئے ہوئے تھے۔ انہیں وہاں دیکھ کر ہمیں بڑی خوشگوار حیرت ہوئی۔ پتہ چلا کہ ڈاکٹر اسرار احمد اپنی ذیلی تنظیم قرآن اکیڈمی کی خصوصی تقریب میں شرکت کی دعوت دینے کے لئے آئے ہیں۔ مولانا مختار گل اور ڈاکٹر اسرار احمد پہلے جماعت اسلامی میں اکٹھے کام کرتے رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب تو برسوں پہلے جماعت اسلامی سے علیحدگی اختیار کر کے اپنے پلیٹ فارم پر مصروف عمل ہو گئے تھے البتہ مولانا مختار گل نے تین سال پہلے جماعت کی رفاقت کو خیرباد کہا۔ اس موقع پر ماضی کے حوالے سے دونوں بزرگوں نے اپنی اپنی یادیں تازہ کرنے کا سلسلہ شروع کیا اور کافی دیر تک اپنی پرانی جماعت کے قصے دھراتے رہے۔ اس موقع پر حفیظ الرحمٰن احسن بھی موجود تھے۔ اس دوران ڈاکٹر اسرار احمد اپنے مخصوص انداز میں سنجیدہ مزاج کے ذریعے گفتگو کو دلچسپ بناتے رہے۔ ہم نے ان سے پوچھا کہ "آپ لوگ جماعت اسلامی سے علیحدگی کے بعد بھی اس جماعت کے لئے اپنے دل میں نہ صرف درد رکھتے ہیں بلکہ فکری محاذ پر ایک دوسرے کے بے حد قریب ہیں تو پھر کیوں اتنی دور بستیاں بسا کر دریا کے دو کنارے بنے ہوئے ہیں؟" ڈاکٹر اسرار احمد ہماری اس بات کو سن کر ایک لمحے کو رکے اور پھر سنجیدہ لہجے میں بتانے لگے کہ "یہ بات میں آپ کو گواہ بنا کر کہہ رہا ہوں شاید کبھی ایسا وقت آئے کہ آپ میرے جذبات کو الفاظ کی شکل دینا پسند کریں۔" ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ "جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے والوں نے قیادت سے اختلاف کیا ہے' جماعت کے بنیادی پروگرام پر وہ ابھی تک متفق ہیں۔ میری یہ تجویز ہے کہ جماعت اسلامی کے امیر قاضی حسین احمد ہیں' میں نے تنظیم اسلامی بنا رکھی ہے' پہلے تحریک اسلامی کے قائد مولانا نعیم صدیقی تھے' اب اس جماعت کے دو گروپ ہو گئے ہیں' مولانا نعیم صدیقی گروپ اور مولانا مختار گل گروپ کام کر رہے ہیں۔ یہ چاروں گروپ بنیادی طور پر جماعت اسلامی کی لڑیاں ہیں۔ ان میں سے کسی ایک گروپ کا کسی دوسری دینی جماعت سے اتحاد یا ادغام نہیں ہو سکتا یعنی ہم میں سے کسی کا جمعیت علماء اسلام یا جمعیت علماء پاکستان یا ایسی کسی دوسری جماعت سے معاملہ طے پانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا البتہ ہم آپس میں ضرور مل سکتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں چاروں کو اپنے بنیادی متفقہ نکات پر مشترکہ لائحہ عمل تیار کرنا چاہئے اور اپنے اپنے پلیٹ فارم سے اس پر عمل درآمد کے لئے کوشش کرنی چاہئے۔ یقیناً اس کے نہایت شاندار نتائج برآمد ہوں گے۔" ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ "اس قسم کے مشترکہ لائحہ عمل کی تجویز میں پہلے بھی دے چکا ہوں اور اب ایک اخبار نویس بھائی کو گواہ بناتے ہوئے پھر دوہرا رہا ہوں۔ خدا کرے کہ میری زندگی میں اس تجویز کو عملی جامہ پہنایا جا سکے۔" ہم نے مولانا مختار گل کی طرف دیکھا تو وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگے بہت اچھی تجویز ہے' اس پر بات ہو سکتی ہے' شوریٰ میں یہ معاملہ پیش کیا جا سکتا ہے.....!!"

سوچنا چاہئے کہ کیا سیکولر نظام کے تحت انتخابات کے ذریعے اسلامی انقلاب آسکتا ہے؟

اگر حکومتی پالیسیاں واضح طور پر اسلام کے فروغ کے لئے نہ ہوں تو وہ اسلامی ملک نہیں

امت کے لئے اسلامی قیادت کا ہونا ضروری ہے' یہ ضروری نہیں کہ صرف ایک ہی قیادت ہو

عمران این حسین اخذ و ترجمہ : سردار اعوان

رباط سربراہ کانفرنس۔ ایک جائزہ

اس سے قبل اس سلسلہ تحریر میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ خلافت عثمانیہ کے خاتمہ کے بعد متواتر یہ کوششیں جاری تھیں کہ بین الاقوامی اتحاد اسلامی کا کوئی مستقل ادارہ وجود میں لایا جائے۔ ۱۹۲۶ء کی مکہ کانفرنس' ۱۹۳۱ء کی اقصیٰ کانفرنس' ۱۹۴۹ء اور ۱۹۵۰ء کی اسلامی اقتصادی کانفرنسیں اور ۱۹۵۳ء تک پاکستان کی کوششوں سے منعقد ہونے والی دوسری کئی کانفرنسیں پھر ۱۹۵۴ء کی مکہ سربراہ کانفرنس اور ۱۹۶۴ء' ۱۹۶۵ء اور ۱۹۶۸ء میں بلائی جانے والی کانفرنسیں' جن کا ذکر ہم پڑھ چکے ہیں' ان سب کا ایک ہی مقصد تھا' یعنی عالمی اسلامی اتحاد۔

بالآخر ۱۹۶۹ء میں حکومتی سطح پر یہ مقصد رباط کانفرنس سے حاصل ہو گیا۔ ۱۹۶۹ء کے بعد سے ایک مستقل ادارہ' دی آرگنائزیشن آف دی اسلامک کانفرنس' OIC قائم ہے' جس کا ہر سال اجلاس ہوتا ہے۔ تادم تحریر یہ تنظیم درجنوں اسلامی کانفرنسیں منعقد کر چکی ہے جن میں سربراہی' وزرائے خارجہ' وزرائے خزانہ' مرکزی بنک کے گورنروں وغیرہ کی سطح کی کانفرنسیں شامل ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ رباط کانفرنس کیسے کامیاب ہو گئی جبکہ اس سے قبل ۴۵ سال سے یہ کوششیں ناکام ہو رہی تھیں۔

اس کامیابی کے پیچھے تین عوامل کارفرما تھے' پہلا عامل یہ تھا کہ یہ ایک اسلامی سربراہ کانفرنس تھی۔ دور خلافت کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ اسلامی ممالک کے سربراہان جو بھی اعلیٰ ترین سطح ہو سکتی تھی' اس پر جمع ہو رہے تھے۔ کانفرنس کا اس سطح پر منعقد ہونا ہی اس کا باعث بنا کہ اتفاق رائے کی نوبت آئی اور وہ فیصلہ ہوا یعنی اسلامی اتحاد کے لئے ایک مستقل ادارے کے قیام کا' جس پر فی الواقع عمل درآمد کیا جا سکتا تھا۔ گویا یہ کہنا چاہئے کہ اب اس سے اوپر دنیا میں کوئی حاکم نہیں تھے جو اس فیصلے کو رد کر سکتے یا کھلم کھلا اس کی مخالفت کرتے۔

اس سربراہ کانفرنس کا کامیاب انعقاد بجائے خود دو عوامل کا مرہون منت تھا۔ پہلا عامل اقصیٰ مسجد میں آگ کا واقعہ تھا۔ اس سے کم تر اہمیت کا واقعہ شاید ایک سربراہ کانفرنس کے انعقاد کا سبب نہ بن سکتا۔ مصر اور اس کی قبیل کے دوسرے مسلم ممالک کو ۶ روزہ جنگ کے بعد جو بھی ان کا اثر و رسوخ باقی رہ گیا تھا آگ کے واقعے سے پیدا ہونے والے مذہبی جذبات کا مقابلہ کرنے کی جرات نہ ہو سکی خصوصاً جبکہ سربراہی اجلاس آگ لگنے کے واقعہ کے ایک ماہ کے اندر منعقد ہو رہا تھا۔

رباط کانفرنس سے قبل سعودی عرب کو اسلامی سربراہ کانفرنس کے لئے کوشش کرتے ہوئے پانچ سال ہو گئے تھے لیکن آگ کے واقعہ تک سربراہ کانفرنس کے مخالفین اس کی مخالفت میں کامیاب رہے تھے۔ چنانچہ آگ کے واقعہ سے ایک دم حالات سعودی عرب کے حق میں ہو گئے اور وہ عالم اسلام کو اپنے مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

> "۱۹۲۴ء میں جب خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے بعد ۱۹۲۶ء میں الازہر کی طرف سے ایک خلافت کانگریس کا اہتمام کیا گیا تو اس میں یہ بات کھل کر سامنے آ گئی تھی کہ مسلمانوں میں قوم پرستی کا زہر اس درجے سرایت کر چکا ہے کہ کسی نئے خلیفہ کے تقرر کی کوشش کی کامیابی محال ہے"

پہلی کئی کانفرنسوں کے مقابلے میں رباط کانفرنس کی کامیابی کی دوسری وجہ کانفرنس کی نمائندہ حیثیت تھی۔ ۱۹۶۹ء تک مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت (روس اور چین کو چھوڑ کر) نوآبادیاتی نظام کے تسلط سے آزاد ہو چکی تھی۔ مغربی استعمار سے سب سے آخر میں الجزائر نے ۱۹۶۲ء میں آزادی حاصل کی تھی۔ افریقہ کے کئی مسلم ممالک پچاس کی دہائی کے اواخر اور ساٹھ کی دہائی کے اوائل میں آزاد ہو چکے تھے۔ مثلاً سوڈان ۱۹۵۶ء' صومالیہ ۱۹۶۰ء' گنی ۱۹۵۸ء' گمبیا ۱۹۶۵ء' دہومی ۱۹۶۰ء میں آزاد ہوا۔ مشرق وسطیٰ میں کویت ۱۹۶۳ء میں آزاد ہوا اور جنوبی یمن نے ۱۹۶۷ء میں آزادی حاصل کی۔ جنوب مشرقی ایشیاء میں ملائشیاء کو ۱۹۵۷ء اور جزائر مالدیپ کو ۱۹۶۵ء میں آزادی ملی۔ چنانچہ رباط کانفرنس تک روس اور چین کے علاوہ صرف جزائر کو موروہسپانوی صحارا اور جبوتی سامراجی نظام میں رہ گئے تھے (فلسطین' اریٹیریا اور کشمیر جیسے علاقوں کا مسئلہ بہرحال الگ تھا)۔ چنانچہ ۱۹۶۹ء میں رباط کانفرنس کے بعد ۱۹۲۴ء میں پہلی مرتبہ افریقہ' مشرق وسطیٰ' وسط ایشیاء (ترکی' ایران اور افغانستان) جنوبی ایشیاء اور جنوب مشرقی ایشیاء سے تعلق رکھنے والے مسلمان ممالک ایک جگہ جمع ہو رہے تھے جس سے رباط

سربراہ کانفرنس کو نمائندہ حیثیت حاصل ہو گئی۔ چونکہ اس سے قبل یہ حیثیت کسی کانفرنس کو حاصل نہیں ہوئی تھی اس لئے ان کے مقابلے میں یہ کانفرنس کامیاب رہی۔

مسلمان حکومتوں کے درمیان یک جہتی پیدا کرنے میں رباط کانفرنس کی کامیابی کے ضمن میں ایک آخری نکتہ اور بھی ہے اور وہ یہ کہ اس سے قبل جتنی بھی کوششیں ہوئیں ان میں اسلام کے ساتھ کچھ دوسرے مقاصد بھی پنہاں ہوتے تھے۔

> **"نظام اسلام کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کے لئے عالم اسلام کو موزوں قیادت لانے کے لئے ایک زبردست جدوجہد کی ضرورت ہے جس کے نتیجے میں یہ بات یقینی ہے کہ مسلمان ممالک کی وہ شکل نہیں رہے گی جو اس وقت ہے"**

جیسا کہ ۱۹۲۶ء میں سلطان عبدالعزیز ابن سعود کا مکہ کانفرنس منعقد کرانے کا مقصد حجاز پر وہابی تسلط تسلیم کرانا تھا۔ اسی طرح ۱۹۵۴ء کی مکہ سربراہ کانفرنس کو مصری حکومت نے اخوان کے خلاف اپنی حمایت کے لئے استعمال کیا' شاہ فیصل کی ۱۹۶۵ء سے ۱۹۶۹ء تک سربراہی کانفرنس منعقد کرانے کی کوششوں کا بھی اصلی مقصد ناصر کے مغرب مخالف عرب نیشنلزم' ملحدانہ سوشلزم وغیرہ کا مقابلہ کرنا تھا۔

رباط کانفرنس میں اس طرح کا کوئی معاملہ نہیں تھا۔ عرب لیگ کے وزرائے خارجہ کی میٹنگ میں اس کا فیصلہ ہوا' یہ فیصلہ اتفاق رائے سے ہوا اور تمام ممبران کی موجودگی میں ہوا۔ یہاں تک کہ عراق اور شام جنہوں نے بعد میں کانفرنس کا بائیکاٹ کیا' کانفرنس منعقد کرنے کے فیصلے میں شامل تھے۔ ان کے بائیکاٹ کا سبب پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ ۲۱/اگست ۱۹۶۹ء کو آگ کا واقعہ پیش آیا اور ۲۵/اگست کو سربراہ کانفرنس بلانے کا فیصلہ ہو گیا۔ شاہ حسین نے عرب سربراہی کانفرنس کی تجویز ۲۱/اگست کو ہی پیش کر دی تھی۔ سعودی عرب نے عرب لیگ کی میٹنگ کے روز تک اسلامی سربراہ کانفرنس کی تجویز پر خاموشی اختیار کئے رکھی جس سے کسی ملک کو اس کے خلاف آواز اٹھانے یا اسے "مغربی سازش" قرار دینے کا موقع ہی نہ ملا۔ اور کانفرنس بلانے کے حق میں فیصلہ ہو گیا۔

رباط اسلامی سربراہ کانفرنس میں "آرگنائزیشن آف دی اسلامک کانفرنس" کی بنیاد پڑنا ایک نمایاں کامیابی تھی۔ لیکن یہ کانفرنس ایک اور لحاظ سے بھی اہم رہی' وہ یہ کہ اس میں بین الاقوامی نظام کے تحت اسلام کو بطور ایک ذیلی نظام کے سامنے لانے کا آغاز ہوا۔ دوسرے معنوں میں اسلام کو نہ صرف اس کے مقام سے نیچے لایا گیا بلکہ مسلمان حکومتوں نے اپنے آپ کو بھی مغربی نظام کے تابع کر لیا۔ یوں گویا مغربی تہذیب کا اسلام پر غلبہ تکمیل کو پہنچ گیا۔

اسلام کو طویل صدیوں تک بین الاقوامی معاملات میں بالادستی حاصل رہی تھی۔ یہ بالادستی رفتہ رفتہ زوال سے دوچار ہو کر بالآخر پہلی جنگ عظیم میں سلطنت عثمانیہ کی شکست اور تباہی کے بعد ختم ہو گئی۔ سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے ہونے اور عالم اسلام کے بیشتر حصے پر سامراجی تسلط کے سبب بین الاقوامی سطح پر اسلام کا عمل دخل نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔ تاہم رباط سربراہ کانفرنس کے نتیجے میں یہ عمل دوبارہ شروع ہوا۔ افریقہ کے بیشتر حصے اور ایشیاء کے ایک اہم حصے پر مشتمل خطے سے اسلام کا دوبارہ ابھرنا غیروابستہ تحریک کے لئے (جس کی اصل طاقت کا انحصار اسی خطے پر تھا) ایک امکانی حریف ہو سکتا تھا۔

غیروابستگی ایک اضافی اصطلاح تھی جو دوسری جنگ کے بعد سامنے آئی اور اس کا تعلق جنگ کے بعد کے بین الاقوامی نظام سے تھا۔ چونکہ یہ تحریک اس وقت کی صورت حال کے رد عمل کی پیداوار تھی اس لئے یہ امکان ہر وقت موجود تھا کہ اس صورت حال میں تبدیلی واقع ہونے پر غیروابستہ تحریک کا تصور بھی بدل جائے گا یا ہو سکتا ہے اس کی ضرورت ہی باقی نہ رہے' اس کے مقابلے میں اسلام کا تصور کسی وقتی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے نہیں گھڑا گیا تھا بلکہ چودہ سو سال سے چلا آ رہا تھا اور اس کا دوبارہ ظہور بالکل فطری بنیادوں پر تھا۔ جہاں تک اسلام کی وسعت کا تعلق ہے تو غیروابستگی کے مقابلے میں جس کا صرف ایک سیاسی تصور تھا یا زیادہ سے کھینچ تان کر معیشت کو اس میں شامل کیا جا سکتا تھا' اسلام پوری انسانی زندگی کا احاطہ کرتا تھا' اس لحاظ سے اسلامی اتحاد کی تحریک کے سامنے کام کرنے کا ایک وسیع میدان تھا اور اس سے ممبر ممالک کو ایک مضبوط لڑی میں پرونے کا کام لیا جا سکتا تھا جبکہ غیر وابستہ تحریک سے ایسی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔

صاف بات تھی کہ بین الاقوامی معاملات میں اسلام کے عمل دخل سے غیروابستہ تحریک کی پسماندہ ممالک کے نمائندہ ہونے کی اجارہ داری باقی نہیں رہ سکتی تھی۔ دیگر وجوہات کے علاوہ یہ وہ وجہ تھی جس نے ہندوستان کو (جو غیروابستہ تحریک کا ایک بانی رکن ملک تھا) رباط کانفرنس میں شرکت کے لئے بے چین کر رکھا تھا۔ رباط کانفرنس کا سربراہی سطح پر انعقاد اس بات کا مظہر تھا کہ اسلام کا اس خطے میں احیاء بین الاقوامی معاملات میں خاص اہمیت کا حامل ہو گا۔

اسلامی اتحاد کے فروغ کے ضمن میں رباط سے ایک فوری نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ رباط کانفرنس سے قبل ماریشش کے پورے علاقے پر مراکو کا جو دعویٰ چل رہا تھا' سربراہی کانفرنس کی خاطر اس نے اپنا یہ دعویٰ ختم کر کے ماریشش کی حکومت کو تسلیم کر لیا اور ماریشش کے صدر نے سربراہ کانفرنس میں شرکت کر لی۔ اس طرح اسلامی کانفرنس کے آغاز ہی میں اس کے ممبر ممالک کے درمیان جھگڑوں اور محاذ آرائی کا تصفیہ کرانے اور اسلامی اتحاد کو تقویت دینے کی قوت کا مظاہرہ سامنے آ گیا۔

رباط سربراہ کانفرنس کی اہمیت اور ایک اسلامی اصولی تجزیہ

ایک اسلامی تجزیہ نگار کی رو سے گزشتہ تمام اسلامی کانفرنسوں کی طرح رباط کانفرنس اسلام کے شوریٰ کے اصول کے ذیل میں آتی ہے۔ جیسا کہ اس سے قبل ہم اشارہ کر چکے ہیں امت پر یہ لازم نہیں کہ وہ کسی ایک ہی قیادت میں اپنے آپ کو منظم کرے۔ اسلام میں قیادت کا ہونا ضروری ہے' ایک سے زائد قیادتیں ممنوع نہیں ہیں۔ شرط صرف یہ ہے کہ یہ قیادت یا قیادتیں جائز طریقے سے تشکیل پائیں اور وہ صحیح معنوں میں عوام کی نمائندہ ہوں۔ اور جو اصل بنیادی مقصد ہے وہ یہ ہے کہ ان قائدین کے درمیان تعلقات اسلامی اتحاد کے قیام اور اس کے فروغ پر مبنی ہوں۔ چنانچہ اسلامی کانفرنسوں کے نتیجے میں اسلامی اتحاد کا جو ڈھانچہ سامنے آیا تھا اصولی طور پر وہ درست اور جائز تھا۔

تاہم اس نظام کی کارکردگی کا جائزہ لینے سے دو

مشکلات کا احساس ہوتا ہے۔ ایک کا تعلق خود ان اکائیوں سے ہے جن پر یہ نظام مشتمل تھا اور دوسری کا تعلق ان اکائیوں کی نمائندگی کرنے والی قیادت کے اسلام کی رو سے قانونی جواز' اس کی حقیقت اور اس کے وصف سے ہے۔ لہٰذا ہم مسلمان ممالک اور وہاں کی قیادت کی طرف آتے ہیں۔

رباط میں عالم اسلام کی نمائندگی ۲۵ مسلمان ممالک نے کی۔ لیکن کیا سیکولر ممالک امت کے نمائندے کہلانے کے حق دار ہو سکتے ہیں؟ راقم کا خیال ہے کہ اسلام کے حکومتی نظام کے تحت جب تک کسی ملک کی حکومتی پالیسیاں واضح طور پر اسلام کے فروغ کے لئے تشکیل نہ پا رہی ہوں اس ملک کو امت کا حصہ کہلانے کا کوئی حق نہیں۔

دوسری مشکل یہ ہے کہ بیشتر مسلمان ممالک میں خاصی بڑی تعداد میں اہم غیر مسلم اقلیتیں موجود ہیں اور بعض جگہوں پر یہ اقلیتیں مسلمان آبادی کا اہم حصہ ہونے اور ملکی معاملات میں شمولیت کے ساتھ ساتھ اسلام کے بارے میں متضاد ہی نہیں منفی رویہ رکھتی ہیں۔ چونکہ قومیت کے تصور پر استوار اسلامی حکومتیں پورے ملک کی نمائندہ ہوتی ہیں۔ اس لئے ان کے لئے اسلام کی نمائندگی کرنا اور اس کے مفادات کو پیش نظر رکھنا دشوار ہوتا ہے۔

ایک نظر اسلامی قومی ریاستوں کے درمیان پائے جانے والے تعلقات کا جائزہ لینا بھی ضروری ہوگا۔ اگر تو معاملہ یہ ہے کہ اسلامی کانفرنس میں شامل ممالک کے ہاں رائج نظام کا فرق محض فرائض کی بجاآوری کے لئے ہے اور تنظیمی حوالے سے سہولت کے طور پر اختیار کیا گیا ہے تب تو ان ممالک پر مشتمل اسلامی کانفرنسوں کا سلسلہ چل جائے گا اور ہو سکتا ہے کہ آئندہ مضبوط ہوتا چلا جائے۔ لیکن جن ممالک نے مغربی طرز معاشرت کے زیر اثر آنکھ کھولی اور اس کے نتیجے میں تصادم' جنگ و جدل' تفرقہ بازی اور رقابت ہی ورثہ میں پائی بلکہ اس سے بھی آگے وہ سیاسی نظریہ بھی اپنا لیا جس میں آفاقی عقائد اور اقدار کی جگہ فلسفہ کے زور پر سیکولرزم اور نیشنلزم نے لے لی ہے۔ ایسی قومی ریاستوں کا اسلامی نظام کے ساتھ مطابقت پیدا کرنا ممکن نہیں۔

جب قوم پرستی اور قومیت پر مبنی ریاستی نظام کا تصور عالم اسلام میں داخل ہوا تھا تو یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں تھا کہ اس سے عالم اسلام متحد ہونے کی بجائے منتشر ہوگا۔ چنانچہ جیسا کہ اس سے قبل ہم بحث کر چکے ہیں' ۱۹۲۴ء میں جب خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے بعد ۱۹۲۶ء میں الازہر کی طرف سے ایک خلافت کانگرس کا اہتمام کیا گیا تو اس میں یہ بات کھل کر سامنے آ گئی تھی کہ مسلمانوں میں قوم پرستی کا زہر اس درجے سرایت کر چکا ہے کہ کسی نئے خلیفہ کے تقرر کے لئے کوشش کا کامیاب ہونا محال ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ۱۹۲۴ء سے ۱۹۶۹ء تک کبھی نہ کسی شکل میں اسلامی اتحاد کے لئے جو بھی کوشش ہوئی' قوم پرستی اور سیکولرزم کے زیر اثر قومیت کی بنیاد پر اسلامی ریاستوں کے تصور نے اسے ناکام بنا دیا۔ اگر ان کوششوں کو بالآخر رباط کانفرنس کی شکل میں پذیرائی حاصل بھی ہوئی تو یہ اسلامی قومیت کی بنیاد پر قائم ریاستوں کا کارنامہ نہیں تھا بلکہ اسلام کا ایک عالمی تصور تھا جسے مسجد اقصیٰ کے واقعہ سے مہمیز ملی تھی۔ اس کے علاوہ ۱۹۶۷ء کی جنگ میں عربوں کی شکست سے بھی (وطنی) قومیت کی بنیاد پر ریاستوں کے قیام کے تصور پر کاری ضرب لگ چکی تھی۔

اسلامی کانفرنسوں میں شریک ممالک کی قومیت پرستی اور سیکولرزم کی بنیادیں اگرچہ کمزور پڑ گئی تھیں لیکن اسلام کے حقیقی نظام سے ابھی وہ کوسوں دور تھے کیونکہ نظام اسلام کے تحت عالم اسلام کا قومی ریاستوں سے بالاتر کوئی ڈھانچہ قائم ہونا ناگزیر ہے۔ راقم اس بارے میں ڈاکٹر کلیم صدیقی کے اس موقف کا پوری طرح حامی ہے کہ قومیت پر مبنی ریاستی تصور ہمیشہ قائم نہیں رہے گا۔ لہٰذا مسلمانوں کو اسلامی قومی ریاستوں سے ہٹ کر کوئی نظام وضع کرنا چاہئے۔

آخری لیکن اتنی ہی اہم بات یہ کہ رباط میں موجود بیشتر سربراہان مملکت اور حکومت (یا ان کے نمائندے) اسلام کی رو سے عوام پر حکمرانی کے قانونی تقاضے پورے نہیں کرتے تھے۔ اس لئے وہ کانفرنس میں عوام کی صحیح نمائندگی کرنے سے قاصر رہے۔ اسلام میں قیادت کا کم سے کم تقاضا' جس کے بارے میں کسی کو بھی اختلاف نہیں یہ ہے کہ عوام کی مرضی کے بغیر ان پر قیادت نہیں ٹھونسی جا سکتی۔ اس حوالے سے رباط میں موجود اسلامی ملکوں کے قائدین کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یا تو خاندانی بادشاہتیں تھیں یا فوجی آمریتیں' دیگر آمریتیں یا آمریتوں ہی کی اقسام تھیں۔ بہرحال جہاں تک اسلامی نظریہ کا تعلق ہے یہ تمام غیر قانونی حکومتیں تھیں۔

چنانچہ نظام اسلام کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کے لئے عالم اسلام کو موزوں قیادت لانے کے لئے زبردست جدوجہد کی ضرورت ہے۔ جس کے نتیجے میں یقینی بات ہے کہ مسلمان ممالک کی وہ شکل نہیں رہے گی جو اس وقت ہے۔ اسلامی قیادت لانے کے لئے جو بنیادی سوال امت کو پیش نظر رکھنا ہوگا وہ یہ ہے کہ کیا بالغ حق رائے دہی پر مبنی جمہوری نظام' بلالحاظ مذہب شہریت' سیکولر جماعتی نظام اور اس نظام کے تحت انتخابات کے ذریعے اسلامی قیادت لائی جا سکتی ہے؟ ایک عظیم اسلامی مفکر اور مصنف' مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ ہاں' مغربی جمہوری نظام کو کام میں لا کر اسلامی قیادت لائی جا سکتی ہے۔ چنانچہ وہ اور ان کی جماعت' جماعت اسلامی قیام پاکستان کے بعد سے اس نظام کے تحت پاکستان کو اسلامی مملکت میں ڈھالنے کی جدوجہد میں لگی ہوئی ہے۔ مگر ان کی چالیس سال کی جدوجہد کا نتیجہ صفر ہے۔

اس کے برعکس آیت اللہ خمینی کی قیادت میں ایران میں جو جدوجہد ہوئی اس کا بالکل ایک مختلف نتیجہ سامنے آیا۔ آیت اللہ خمینی نے جو حکمت عملی اختیار کی وہ یہ تھی کہ مروجہ نظام کے خلاف اپنے مقاصد کو آگے بڑھایا جائے۔ چنانچہ ایرانیوں کو جو کامیابی حاصل ہوئی وہ ثابت کرتی ہے کہ جدید حکومتی نظام سے ٹکر لئے بغیر اسلامی نظام کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔OO (تمام شد)

بقیہ : خطبات خلافت

میں فرق کرنے والا دن) عطا فرمایا۔ یہ پیشین گوئی نو سال بعد حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ کیا نو سال تک مسلمان ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ گئے تھے اور پیشین گوئی پوری ہونے کا انتظار کرتے رہے تھے؟ نہیں' اس کے برعکس ہوا یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ نے ماریں کھائیں' ہجرت کی' اہل و عیال کو انسان نما بھیڑیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر مدینہ کا رخ کیا اور پھر تین سو تیرہ ---- پندرہ سال کی محنت شاقہ کا حاصل ---- آپ نے میدان میں لا کر ڈال دیئے' تب فتح مبین حاصل ہوئی۔

اب بھی جو کچھ ہو گا محنت و کوشش سے ہو گا۔ جن کو توفیق ملے گی وہ اس کام میں لگ جائیں گے۔ چنانچہ قرآن کی پیشین گوئیوں کی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پیشین گوئیاں فرمائی ہیں' مگر نہ قرآنی پیشین گوئیوں کا مطلب ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جانا تھا اور نہ احادیث میں وارد پیشین گوئیوں کا یہ مطلب ہے۔

نفاذ اسلام میں اصل رکاوٹ ہم خود ہیں

پیپلز پارٹی اگر اسلام مخالف ہے تو کیا اسے فرشتے ووٹ دے جاتے ہیں !

مولانا محمد اکرم اعوان

ایک زمانہ تھا جب پوری انسانیت کافرانہ عقائد و نظریات اور جاہلانہ رسومات میں جکڑی ہوئی تھی اور کافر طاقتیں پورے عروج پر بڑی شان و شوکت اور دبدبے سے حکومتیں کر رہی تھیں۔ بہت بڑی بڑی شہنشاہیتوں سے لے کر چھوٹے چھوٹے سرداروں تک ہر کوئی کفر ہی کا نمائندہ بنا ہوا تھا اور عجیب بات ہے کہ اگر کہیں کوئی سلیم الفطرت لوگ تھے' ایسے لوگ تھے جنہیں کفر پسند نہیں تھا' جنہیں شرک یا بت پرستی اور ظلم و زیادتی پسند نہیں تھی تو وہ بھی جانتے نہیں تھے کہ حق کیا ہے؟ صداقت کیا ہے؟ صحیح طریقہ کیا ہے؟ دنیا میں کوئی ایک متنفس ایسا باقی نہیں تھا جو اللہ کی ذات اور اس کی صفات سے واقف ہو۔

مولانا عبدالحلیم شرر نے سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک سوانح لکھی ہے۔ انہوں نے ان کے حوالے سے بہت سی عجیب باتیں لکھی ہیں۔ ایک بات جو اپنی ایک عجیب حیثیت رکھتی ہے لکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تلاش حق میں مختلف عیسائی راہبوں کے پاس' عیسائیوں کی خانقاہوں میں' یہود کے علماء کے پاس' پھرتے پھرتے عمر کا طویل حصہ گزار دیا۔ لیکن کہیں بھی انہیں حق میسر نہ آیا۔ حتیٰ کہ سارے بال سفید ہو چکے تھے۔ جب وہ بحیرہ راہب کی خانقاہ میں پہنچے تو اس نے انہیں کہا کہ حق تو میرے پاس بھی نہیں ہے' یہ الگ بات ہے کہ ہم مجاہدہ کرتے ہیں اور مراقبات میں ساری رات دن بسر کر دیتے ہیں۔ ہم تو اپنے ضرر سے لوگوں کو بچانے کے لئے گوشہ نشین ہیں کہ کم از کم ہمارے وجود سے تو کسی کا نقصان نہ ہو لیکن اگر تمہیں حق کی تلاش ہے تو مجھے لگتا ہے وہ بچہ' وہ لڑکا جو قافلے کے ساتھ میں نے دیکھا تھا اس میں مجھے وہ نشانیاں نظر آئی تھیں جو ہماری پہلی کتابوں میں نبی آخر الزماں ﷺ کے وجود سے متعلق ہیں۔ اگر تم جا سکو تو وادی القراء میں جاؤ اور وہاں تلاش کرو۔ وہاں امید اور ہدایت کی ایک کرن نظر آتی ہے۔ ورنہ تم ساری عمر پھر چکے۔ باقی عمر بھی پھرتے رہو تمہیں حق ملے گا نہیں۔

حضرت سلمان وہاں سے نکلے۔ صحرا کی وسعتوں میں مختلف اطراف سے ہوتے ایک وادی میں پہنچے جو وادی القراء کے قریب تھی تو وہاں لوگوں نے بتایا کہ ایک شخص جنگل میں گوشہ نشین ہے اس نے پچاس برس سے کسی سے بات نہیں کی اور اس کی عمر ڈیڑھ سو سال سے تجاوز ہے تو شوق پیدا ہوا اور اس کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ شخص کسی چٹان پر ایسا محو بیٹھا تھا کہ جنگلی جانور تک اس سے بے تکلف ہو گئے تھے۔ انہیں یہ بھی احساس نہیں ہوتا تھا کہ وہ زندہ انسان ہے یا پتھر پڑا ہے؟ وہاں انہیں کافی محنت کرنا پڑی۔ وہ شخص زبان ہی نہیں کھولتا تھا' جو چند جملے اس نے انہیں کہے وہ بڑے عجیب ہیں۔ اس نے کہا دیکھو! تم نے مجھے بہت تنگ کیا ہے میں نے پچاس برس سے کسی شخص کے ساتھ بات نہیں کی۔ اس لئے کہ بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ کسی کو حق کی تلاش ہی نہیں ہے' لیکن میں تمہیں ایک بات بتاؤں' میرا وقت ختم ہو چکا ہے جب میں مر جاؤں تو اسی چٹان کے پاس ریت ہٹا کر مجھے دفن کر دینا۔ میری موت اس بات کی دلیل ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اعلان نبوت کر دیا ہو گا۔ وہی دن تھے جب نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے اعلان نبوت فرمایا تھا۔

نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے کیا بھر دیا اس آوارہ مزاج اور بدوی مزاج قوم میں؟ جس میں ہر شخص تنہا تنہا جیتا تھا۔ بدویت کا مزاج یہ تھا کہ ہر شخص اکیلا اکیلا زندہ تھا اپنی قوت بازو پر۔ اور کمزوری موت تھی۔ عزت بچانے کیلئے' اپنا مال بچانے کیلئے' اپنی جان بچانے کیلئے ایک ہی چیز تھی اور وہ تھی قوت بازو۔ جو کمزور پڑتا لوگ اس کے خاندان کی عورتیں پکڑ کر لے جاتے' بچے پکڑ کر غلام بنا لیتے' مال لوٹ لیتے' مردوں کو قتل کر دیتے۔ وہ قوم جو دوسروں کو لوٹنا ہی اپنا شعار سمجھتی تھی اسے کیا ہو گیا کہ یکایک اس میں تنظیم بھی آ گئی؟ اس میں نظم و ضبط بھی آ گیا' ایثار بھی آ گیا اور اس نے دنیا میں وہ انقلاب پیدا کیا کہ بڑی بڑی کافر طاقتوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گئی۔ کتنے لوگ تھے اس میں؟ صرف ایک بندہ تھا یعنی اللہ کا رسول ﷺ - ایک بندے سے وہ انقلاب شروع ہوا' پھر ایک سے دو ہوئے۔ خواتین میں حضرت خدیجہؓ' مردوں میں ابوبکر صدیقؓ' بچوں میں حضرت علیؓ - یہ ایک قوم کی بنیاد تھی اور عجیب بات ہے کہ پوری دنیا کا کفر مخالفت پہ متحد ہے۔ لیکن جس دن مکہ مکرمہ میں ایمان قبول کرنے والوں کی تعداد چالیس ہو گئی تو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ ہم چالیس چھپ کر نماز پڑھیں؟ بیت اللہ میں کافر بت رکھ کر پوجیں اور ہم چالیس ہونے کے باوجود اگر بت نہیں ہٹا سکتے تو وہاں نماز تو پڑھ سکتے ہیں اور اس دن سے انہوں نے بیت اللہ میں علانیہ نمازیں شروع کر دیں۔ یہ چالیس پچاس! کیا تعداد ہے؟ اور قیصر کے ایک ایک گورنر کے پاس ڈیڑھ ڈیڑھ لاکھ ریگولر سولجر (Regular Soldier) باقاعدہ تربیت یافتہ سپاہی ہوا کرتا تھا جبکہ اس زمانے کی آرمی (Army) یہ ہوتی تھی کہ جب اعلان جنگ کر دیا تو ساری پبلک (عوام) آرمی (فوج) بن جاتی تھی۔ ہر بندہ ٹرینڈ (تربیت یافتہ) ہوتا تھا تیر' نیزہ اور تلوار چلانے کا۔ تیس تیس لاکھ سپاہی روم والے مسلمانوں کے مقابلے پر لائے اور تیس تیس لاکھ کا مقابلہ کیا مسلمانوں نے۔ عجیب بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی تعداد جہاں بہت کثرت سے ہوئی ہزاروں سے نہیں بڑھی' بہت بڑا معرکہ جو روما کے خلاف لڑا گیا اس میں مسلمانوں کی تعداد تیس ہزار تھی۔ تو پھر نبی اکرم ﷺ نے کیا جادو کیا تھا؟ انہیں کیا عطا کر دیا؟ آپ کہئے اللہ پر ایمان! وہ تو ہمارے پاس بھی ہے۔ آج دنیا میں چھ ارب یا چھ سو کروڑ کی آبادی شمار کی جاتی ہے۔ جس میں کم و بیش دو سو کروڑ یا دو ارب کے لگ بھگ مسلمان ہیں۔ یعنی ہر تیسرا بندہ روئے زمین کا مسلمان ہے۔ دنیا میں اتنی بڑی قوم کوئی بھی نہیں ہے۔ اس لئے کہ باقی اقوام

عالم ایک سو بیس یا ایک سو بائیس کے قریب شمار کی جاتی ہیں ان سب کی تعداد چار ارب ہے اور اکیلی ایک قوم کی تعداد دو ارب ہے۔ تو جب یہ ہزاروں میں تھے اور دنیا اربوں میں تھی تو انہوں نے پوری دنیا کی کایا پلٹ دی۔ اب یہ کروڑوں میں ہیں اور مار کھائے جا رہے ہیں۔ تو کوئی وجہ تو ہے نا۔ کوئی کمی تو کہیں ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے ان مسلمانوں کو اللہ پہ ایمان دیا' اور ہمارے پاس بھی وہی ایمان' وہی عقیدہ ہے۔ انہوں نے آپ ﷺ کو نبی مانا۔ نبی اکرم ﷺ اپنی حیثیت میں آج بھی وہی ہیں جو اس وقت مکہ میں مبعوث ہوئے تھے۔ یہ نہ سمجھئے آج کوئی دوسری نبوت ہے۔ جن لوگوں نے روئے زمین پر پھر کر جہاد کیا ان کے ساتھ حضور اکرم ﷺ نے سرزمین عرب سے باہر زمین کو یہ شرف نہیں بخشا کہ اس پر پاؤں رکھا ہو۔ جبکہ مسلمان تو روئے زمین پر پھرے۔ ہر جگہ جسمانی طور پر تو اللہ کا رسول ﷺ ان کے ساتھ نہیں تھا۔ اس کی برکات' اس کی رسالت اور اس کی نبوت ہی تھی۔ وہ برکات آج بھی ویسی ہیں' رسالت آج بھی انہی کی ہے' نبوت آج بھی انہی کی ہے۔ اس میں تو کوئی فرق نہیں پڑا۔ قرآن کریم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یک مشت نہیں ملا۔ ایک ایک آیت' دو دو آیتیں' چار چار آیتیں انہیں ملیں۔ ہمارے پاس اکٹھا تیس پارے موجود ہیں۔ ہمارے پاس حضور اکرم ﷺ کا ارشاد فرمایا ہوا ایک ایک لفظ ضبط کیا ہوا بیک وقت موجود ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ وہ تھوڑے تھے اور سارے زمانے پہ سرفراز تھے اور ہم بہت زیادہ ہیں اور سارے زمانے میں رسوا ہیں؟

میری سمجھ میں جو بات آتی ہے وہ صرف ایک ہے۔ ہر وہ شخص جسے کلمہ نصیب ہوا اس نے گھر بھی بنایا' روزی بھی کمائی' محنت بھی کی' مزدوری بھی کی' بچے بھی پالے' لیکن اس کی زندگی کا مقصد حصول زر یا بچے پالنا نہیں تھا۔ اس کی زندگی کا مقصد تھا اللہ کی زمین پر اللہ کی مخلوق کو ہدایت پر لانا۔ اللہ کی رضا کے لئے اللہ کے بندوں کو بت پرستی کے عذاب سے' ظالموں کے ظلم سے' فرعونوں کی فرعونی طاقتوں سے' شیطان کی شیطنت سے بچا کر صراط مستقیم پر لانا۔ یعنی وہ زندہ رہتے تھے اللہ کی مخلوق کے لئے' دوسروں کے لئے۔ ہم ساری نمازیں پڑھنے اور سارے روزے رکھنے کے بعد بھی اپنی ذات کے خول سے باہر نہیں آتے۔ دو سو کروڑ مسلمان اکیلا اکیلا جی رہا ہے۔ ہر بندہ یہ چاہتا ہے کہ میرے بچے ٹھیک رہیں' میرا گھر خوبصورت بن جائے' میرے پاس دولت آ جائے' مجھے عہدہ مل جائے۔ باقی دنیا کا کیا ہو گا؟ یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔ لوگ جانیں ان کا کام جانے۔

مثلاً آپ کسی بچے سے پوچھیں کیا بننا چاہتے ہو؟ وہ کہے گا "جی میں انجینئر بنوں گا' قوم کی خدمت کروں گا"۔ ٹھیک ہے اس نے بات اچھی کی۔ آپ خوش بھی ہوں گے لیکن کاش آپ اس کے اندر جھانک سکیں۔ اس کے پیچھے ایک خواہش اور بھی ہو گی' ہم انجینئر اس لئے نہیں بنتے کہ میری ٹیکنالوجی میری قوم کو کوئی بڑا ایوارڈ دے گی' نہیں۔ اس لئے کہ میرے پاس یہ کمال ہو گا تو میں دوسروں سے زیادہ دولت مند بن جاؤں گا۔ جو علم اس جذبے کے ساتھ ہو وہ قوم کو حیات نہیں بخشتا۔ آج ہمارا سارا اہل دانش کا طبقہ روٹی کے چند نوالوں کے لئے یا چند سکوں کے لئے دوسری قوموں کے پاس رہن ہے' بکا ہوا ہے۔ اکثریت کے لئے تو ہم نے یہ زمین ہی تنگ کر دی ہے۔ وہ یہاں سے چھوڑ کر چلے ہی کہیں اور گئے' رہتے ہی کہیں اور ہیں' اور وہ خدمت بھی انہی کی کرتے ہیں' کام بھی انہی کا کرتے ہیں۔ لیکن جو یہاں ہیں بھی' ایک صحافی سے لے کر شاعر تک' ادیب سے لے کر دانش ور تک' بات اغیار ہی کی کرتے ہیں۔ اس لئے کہ وہاں سے انہیں پیسے ملتے ہیں۔ یعنی ہر شخص محض اپنی ذات کے خول میں بند ہو گیا' اور یہ اسلام نہیں ہے۔ خواہ بندہ کتنی نمازیں پڑھتا رہے' اس نے اسلام کے مفہوم کو ہی نہیں سمجھا۔ نماز اس کے لئے ایک ورزش ہے۔ اسلام کا مفہوم ہی کچھ اور ہے۔

اخرجت للناس ۔ یہ قوم اولاد آدم کی فلاح اور بہتری کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ اولاد آدم میں روئے زمین کے تمام انسان آتے ہیں۔ چہ جائیکہ ہم انسانیت کی فکر کریں ہم تو اپنی ذات کو چھوڑ کر اردگرد بیٹھے ہوئے لوگوں کو بھی نگلنے پر تیار ہیں۔ تو یہ کون سا اسلام ہے؟ یعنی ہمارا اسلام خلاف اسلام چلا گیا۔ جس طرح جب موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو یہودیت دین حق تھا۔ لیکن دین موسوی کو یہودیوں نے اتنا بگاڑا کہ وہ خود یہودیت کے خلاف ایک دین بن گیا۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو عیسائیت دین حق تھا لیکن عیسائیوں نے اس میں اتنی تحریف کی کہ خود تعلیمات عیسوی کے خلاف آج وہی دین ڈٹا ہوا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں خدا ایک ہے۔ یہ مذہب کہتا ہے تین ہیں۔ جس چیز کو وہ حلال کہتے ہیں آج کا عیسائی مذہب اسے حرام کہتا ہے۔ جس کو انہوں نے حرام قرار دیا آج کا عیسائی مذہب اسے حلال قرار دیتا ہے۔ یعنی خود عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے خلاف عیسائیت لڑ رہی ہے۔ یہی حال ہمارا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ کتابیں جو تھیں' وہ ضائع ہو گئیں' تلف ہو گئیں اور ہمارے پاس جو کتاب ہے اس کی حفاظت کا ذمہ رب العالمین نے لے لیا ہے۔ یہ میری اور آپ کی ہمت سے زندہ نہیں بچی ہے۔ یہ اللہ کی حفاظت سے درست حالت میں موجود ہے۔ آج عملی زندگی میں اگر کوئی اللہ کے دین کے مخالف کام کر رہا ہے تو وہ مسلمان کر رہا ہے۔

آپ اسی وطن عزیز کو لے لیجئے۔ آپ' میں' ہم سب امریکہ کو گالیاں دیتے ہیں کہ وہ یہاں اسلام نافذ نہیں ہونے دیتا۔ اہل مغرب کو ہم بد دعائیں دیتے ہیں کہ وہ یہاں اسلام نافذ نہیں ہونے دیتے۔ پیپلزپارٹی پہ ہم غصہ نکالتے ہیں کہ یہ اسلام کے خلاف جماعت ہے۔ مسلم لیگ کی حکومت رہی ہم اس پر فتوے لگاتے رہے کہ یہ بے ایمان ہے یہ اسلام نافذ نہیں کرتی۔ کیا اسلام کو پیپلزپارٹی' مسلم لیگ اور امریکہ نے روک رکھا ہے یا میں نے اور آپ نے؟ میں اور آپ اگر اسلام چاہیں تو پیپلزپارٹی فرشتوں سے ووٹ لے کر آتی ہے؟ میں اور آپ ووٹ نہیں دیتے؟ مسلم لیگ کی حکومت بنتی ہے تو کون بناتا ہے؟ میں اور آپ نہیں بناتے؟ اگر ہمیں اسلام چاہئے تو ہم کیوں نہیں کہتے کہ ہم اس پارٹی' اس جماعت' اس طاقت کو ووٹ دیں گے جو پہلے خود اپنے اوپر اسلام نافذ کرے' سامنے آئے اور پھر ہمیں بھی اسلام سے آشنا کرے۔ کوئی ہے جو ایسا کہے؟ تو پھر اسلام امریکہ نے نہیں روکا ہوا۔ نفاذ اسلام کے خلاف مغربی طاقتیں کچھ نہیں کر سکتیں۔ اسے ہم نے روکا ہوا ہے۔ ہم حج کر لیتے ہیں' نمازیں پڑھتے ہیں' وظیفے پڑھتے ہیں' تبلیغ کرتے ہیں' چلے لگاتے ہیں لیکن عملاً اسلام کی بات آئے تو اپنا لوٹا لے کر ہر کوئی الگ ہو جاتا ہے اور چاہتا ہے کہ میرے پیٹے پہ حرف نہ آئے' میرے آرام میں بھی خلل نہ آئے' مجھے معتبری بھی نصیب رہے۔ باقی کچھ ہوتا ہے تو ہو نہیں ہوتا تو نہ ہو۔ اور قرآن حکیم کی اس آیت نے اسی بات کی طرف نشان دہی کی ہے۔ کہ تمہارے دولت مند ہو جانے سے یا بہت بڑا صاحب اولاد ہو جانے سے کہ تمہارے بہت سے بیٹے ہوں اور وہ تمہارے لئے قوت بازو ہوں' بڑے مشہور ہوں اللہ کو کوئی غرض نہیں۔ وما اموالکم ولا اولادکم بالتی تقربکم

عنند نازلهی- اللہ کریم فرماتے ہیں میں کسی کے بیٹے اور ان کی جوانیاں دیکھ کر' ان کی قوت بازو دیکھ کر یا اس کے گھر دولت کے انبار دیکھ کر اس پر فریفتہ نہیں ہو جاتا۔ اس سے تمہیں میرا قرب نصیب نہیں ہوگا۔

الامن امن- میرا مقرب وہ ہے جو سب سے پہلے ان حقائق کو قبول کرے جو میرا نبی علیہ السلام لایا تھا اور ماننے کے بعد وعمل صالحا- پھر خلوص نیت سے ان پر عمل کرے۔

کہاں وہ اسلام کہ بندہ خود بھوکا رہ کر اپنی غذا دوسرے انسان کو دے۔ اور کہاں آج کا اسلام کہ ہر بندے کا نوالہ چھین کر ہم خود کھا جاتے ہیں۔ یہ جو نفسا نفسی ہے اس نے ہمیں اسلام کے مقابلے میں کھڑا کر دیا ہے اور آج اگر اسلام نافذ نہیں ہو رہا تو آج کا مولوی' آج کا پیر' آج کا مرید' آج کا استاد' آج کا شاعر' آج کا مسلمان ادیب اور آج کا عام مسلمان' میں اور آپ اسلام کو روکنے کا سبب بنے ہوئے ہیں۔ ہماری خود غرضی کا یہی عالم رہا تو خود غرضوں کو نفاذ اسلام کی سعادت نصیب نہیں ہوتی۔ کیونکہ اسلام انسانیت کا دین ہے۔ اللہ کا دین ہے۔ اللہ کی ساری مخلوق کی بہتری چاہنے کا نام اسلام ہے۔ کیا ہم درخت لگاتے ہیں' اس لئے کہ بڑے بڑے درخت بن جائیں اور ان پر پھل پھول نہ لگے؟ اس لئے کون محنت کرتا ہے؟ یہ ساری محنت کی جاتی ہے اس پھل کے لئے جو اس درخت پہ لگتا ہے ورنہ لوگ درختوں کو کاٹ کر چولہے میں جلاتے ہیں۔ ایسے اسلام کو آپ کس لئے پال رہے ہیں جس پر کوئی پھل نہیں لگتا؟ جو کسی دوسرے کا دکھ نہیں بانٹتا؟ جو کسی دوسرے کی تکلیف نہیں سہتا؟ جو کسی دوسرے کے لئے بھلائی نہیں چاہتا؟ جس درخت کے سائے میں کوئی ستا نہیں سکتا۔

آج بحیثیت قوم ہم سارے ایندھن بنے ہوئے ہیں سوائے اللہ کے ان بندوں کے جنہیں اللہ نے یہ شعور دے دیا ہے کہ آپ ﷺ رحمتہ للعالمین ہیں۔ سارے جہانوں کے لئے اللہ کی رحمت ہیں اور ہر مسلمان اپنے نبی ﷺ کا قاصد ہے۔ ہر مسلمان کا یہ کام ہے کہ اپنے نبی اکرم ﷺ کی رحمت آگے پہنچائے۔ اللہ کریم اگر ہمیں یہ شعور دے دے اور ہمیں یہ فکر دے دے کہ ہم یہ شعور حاصل کریں اور اپنے کردار کو اس کے مطابق بدلنے کی کوشش کریں تو نفاذ اسلام کی راہ نہ امریکہ روک سکتا ہے اور نہ دنیا کی اور کوئی طاقت۔ لیکن یاد رکھیں!

چوروں سے انصاف نہیں ہوتا' ڈاکو عدالت قائم نہیں کیا کرتے' لٹیرے قیام امن کے سربراہ کبھی نہیں بنا کرتے۔ ہم خود اس مقصد سے ہٹے ہوئے ہیں تو ہمارے ہاتھوں وہ مقصد پورا کیسے ہوگا؟ اللہ کرے ہمیں یہ شعور نصیب ہو' توبہ کی توفیق نصیب ہو' اللہ کریم ہماری کوتاہیوں اور گزشتہ غلطیوں کو درگزر فرما کر ہمیں یہ توفیق عطا کرے کہ ہم میں اجتماعی سوچ پیدا ہو' اجتماعی فکر پیدا ہو۔ ہم خود کو امت مسلمہ کے وجود کا ایک ذرہ سمجھیں۔ اپنی الگ حیثیت متعین نہ کریں بلکہ پوری انسانیت کے ساتھ خود کو مربوط کریں۔ انسانوں کا دکھ محسوس کریں۔ کافر کا بھی بھلا چاہیں' تب ہمیں اسلام نصیب ہوگا۔ یعنی اسلام نے لڑائی ختم کر دی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مبعوث ہو کر جنگ ختم کر دی۔

There is no war in Islam.

اسلام میں جنگ نہیں ہے۔ اسلام میں جہاد ہے اور جہاد دشمن کو ذلیل کرنے کے لئے نہیں بلکہ جہاد ظالم کو ظلم سے روکنے کی کوشش کا نام ہے اور اس میں اس کی بھی بہتری ہے۔ اس کی بھی بھلائی مد نظر رکھی گئی ہے بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سو ہزار کافر کو بحالت کفر قتل کرنے سے اللہ کو یہ پسند ہے کہ ایک کافر کو مسلمان کر لیا جائے' اسے دوزخ سے بچا لیا جائے۔ اللہ کو اپنی مخلوق اس سے زیادہ عزیز ہے جتنا کسی ماں کو بیٹا پیارا ہوتا ہے۔ اس کے ایک بندے کو آپ دوزخ سے بچانے کا سبب بن جائیں۔ اس کے ایک بندے کو راہ راست پر لانے کا سبب بن جائیں تو اسے ہزاروں کو بحالت کفر قتل کرنے سے یہ زیادہ پسند ہے۔ میرے بھائی! ہمیں اپنی اصلاح کرنی ہوگی۔ طالب علم کو علم محض دولت کے انبار لگانے کے لئے نہیں بلکہ قومی امور میں کام آنے کے لئے حاصل کرنا ہوگا۔ دانش ور کو اپنی دانش حصول زر کے لئے نہیں' اصلاح احوال کے لئے استعمال کرنا ہوگی ہر شعبہ زندگی کے مسلمان کو سلامتی کا قاصد بننا ہوگا۔ انسانیت کی سلامتی کی فکر ہم کریں گے' تب جا کر ہمیں خود سلامتی نصیب ہو گی۔

KHALID TRADERS
IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS, & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS

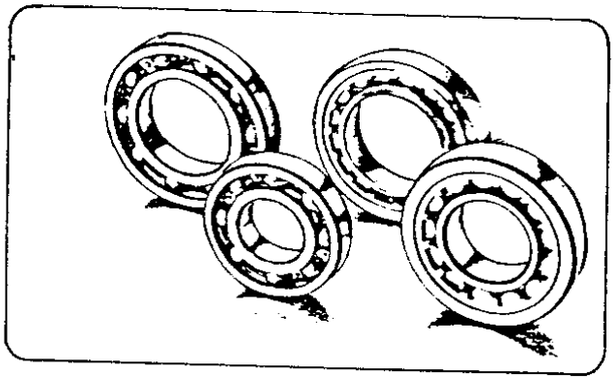

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) — Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : — 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

خود مختاری ملنے کے باوجود فلسطینیوں کی حیثیت ایک محکوم قوم سے زیادہ نہیں

فلسطین کی سرزمین بنی اسرائیل کو اس شرط پر عطا ہوئی تھی کہ وہ خدا کی اطاعت پر کاربند رہیں گے

عثمانی سلطنت کے حصے بخرے کرنے میں حکومت برطانیہ نے نہایت منافقانہ اور بددیانتی پر مشتمل کردار ادا کیا

ڈاکٹر احمد افضال

امریکی حکومت کے سیاسی و معاشی طرز عمل میں یہودیوں کا فیصلہ کن کردار کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ آج سے تقریباً ۱۲ سال قبل امریکی کانگریس (ایوان زیریں) کے سابق رکن پال فنڈلے نے اپنی کتاب "They Dare to Speak Out" میں اس حقیقت کو واضح کر دیا تھا کہ امریکہ کی سیاست میں یہودیوں کا عمل دخل کس قدر بھرپور ہے۔ اس نے اس امر کے ثبوت فراہم کئے تھے کہ امریکہ میں کسی سیاست دان کے لئے ممکن ہی نہیں رہا ہے کہ وہ اسرائیل کی مخالفت میں یا فلسطینیوں کے حمایت میں کوئی معمولی سا بیان بھی دے سکے' اس لئے کہ یہودیوں کے طاقتور ادارے ایسے شخص کا پورا سیاسی مستقبل تباہ کر دینے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔ گزشتہ سال پافنڈلے کی دوسری کتاب منظر عام پر آئی ہے' جس کا عنوان Deliberate Deceptions ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے اسرائیل اور یہودیوں کی جانب سے پھیلائی جانے والی ایسی باتوں کا نوٹس لیا ہے جنہیں امریکی عوام بالعموم صحیح تسلیم کر لیتے ہیں لیکن جن کی اصل حیثیت بالارادہ کی جانے والی فریب کاریوں کی ہے۔

کتاب کے تعارف میں مصنف نے ۱۳/ ستمبر ۱۹۹۳ء کو ہونے والے اسرائیل اور پی ایل او کے معاہدے کا تجزیہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں دنیا کو تاثر یہ دیا گیا تھا کہ یہ ایک بہت بڑا تاریخ ساز معاہدہ ہے جس کے ذریعے اسرائیل نے انتہا درجے کی سخاوت اور اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے گویا اپنے بعض "حقوق" سے دستبرداری اختیار کر لی ہے' اور اس میں اس کا مقصد صرف امن کو فروغ دینا ہے۔ جو بات لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہی وہ یہ ہے کہ اسرائیل نے فلسطینیوں پر استبداد بھی برقرار رکھا ہے اور وہ جنوبی لبنان اور شام کی سرحد کے قریب کے علاقوں پر بمباری بھی کرتا رہا ہے۔ نیز مقبوضہ علاقوں میں یہودی آبادکاروں کے ہاتھوں تشدد کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ مارچ ۹۳ء سے اسرائیل نے تمام فلسطینیوں پر مختلف قسم کی بندشیں لگا کر ان کو تقریباً قیدیوں کی سی زندگی گزارنے پر مجبور کر رکھا ہے' چنانچہ ان پر علاقے سے باہر ملازمت' کاروبار اور سفر پر پابندیاں عائد ہیں۔ چوبیس گھنٹے کا کرفیو لگا کر فلسطینیوں کی نقل و حرکت بند کر دی جاتی ہے' جبکہ اس کا اطلاق یہودیوں پر نہیں ہوتا۔ یہودیوں کی نئی بستیوں کی تعمیر کا سلسلہ بھی جاری ہے' اور یہ بستیاں اس منصوبے کے ساتھ بسائی جا رہی ہیں کہ فلسطینی آبادی کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں اس طرح منقسم کر دیا جائے کہ وہ ایک منظم طاقت کی حیثیت کھو دیں۔ مشرقی یروشلم میں یہودی آبادکاروں کو ٹیکسوں میں غیر معمولی چھوٹ حاصل ہے' اور فلسطینیوں کو ان کے مقابلے میں پانچ گنا زیادہ ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے۔ نام نہاد خود مختاری ملنے کے باوجود فلسطینیوں کی حیثیت ایک محکوم قوم سے زیادہ نہیں۔

پال فنڈلے کا موقف یہ ہے کہ اسرائیل کی حمایت کر کے امریکہ خود اپنے مفادات کو نقصان پہنچا رہا ہے۔ اس نقصان میں اسرائیل کو اربوں ڈالر کی امداد اور ٹیکس اور تجارت میں غیر معمولی نرمی برتنے کے نتائج بھی شامل ہیں' تاہم سب سے بڑا خسارہ انسانی حقوق کی ان خلاف ورزیوں کے حوالے سے ہے جو اسرائیل کی طرف سے بہت بڑے پیمانے پر کی جا رہی ہیں' اور جن میں امریکہ کی نیم رضامندی بھی شامل ہے۔ چنانچہ اسرائیل کا عرب علاقوں پر قبضہ اور وہاں کے رہنے والوں کا مسلسل استحصال امریکہ کی حمایت یا کم از کم چشم پوشی کے بغیر ممکن نہیں۔ ایک طرف اسرائیل بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی پر مصر ہے اور تقریباً ۲۰ لاکھ عربوں پر سخت اور بعض صورتوں میں ظالمانہ فوجی تسلط قائم رکھے ہوئے ہے' اور دوسری طرف امریکی حکومت اسے ہر قسم کا مالی' فوجی' اور سفارت کاری تعاون فراہم کر رہی ہے۔ اس معاملہ میں امریکہ کا نقصان اس حوالے سے بھی ہے کہ امریکی سیاست دانوں کا اسرائیلی لابی کی حمایت حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہنا خود امریکہ کے لئے مشرق وسطیٰ میں خیر خواہی کے جذبات کو ختم کرنے کا باعث بنا ہے۔

جہاں تک امن سمجھوتے کا تعلق ہے تو واقعہ یہ ہے کہ اس میں فلسطینیوں کے بنیادی مطالبات میں سے کسی ایک کو بھی تسلیم نہیں کیا گیا۔ ان مطالبات میں مقبوضہ عرب علاقوں سے یہودی بستیوں کا خاتمہ' ایک آزاد فلسطینی ریاست کا قیام جس کا دارالحکومت مشرقی یروشلم ہو' اور تمام فلسطینی پناہ گزینوں کو وطن واپسی کا حق دیا جانا شامل ہیں۔ ایک منصفانہ امن کے قیام کے لئے ان تمام قضیوں کو حل کرنا لازم ہے' لیکن اس کے باجود ان مسائل پر گفت و شنید کو اپریل ۹۷ء تک کے لئے موخر کر دیا گیا۔ اس نام نہاد امن سمجھوتے میں فلسطینیوں کی محکوم حیثیت کو ختم کرنے کے لئے کوئی اقدام نہیں کیا گیا ہے' یہاں تک کہ مستقبل بعید میں بھی فلسطینیوں کو ان کے حقوق ملنے کا کوئی امکان اس سمجھوتے کی رو سے موجود نہیں۔

فلسطین میں ایک یہودی ریاست کے قیام کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے تورات کے حوالے دیئے جاتے ہیں' اور دعویٰ کیا جاتا ہے کہ خدا نے اس سرزمین کا مالک یہودیوں کو بنایا ہے۔ قطع نظر اس سے کہ تورات کے الفاظ کا صحیح مفہوم اور محل کیا ہے' اہم تربات یہ ہے کہ عہد قدیم سے بے شمار اقوام مذہب کے نام پر اس قسم کے دعوے کرتی رہی ہیں' اور موجودہ دنیا میں کوئی عدالت محض مذہبی شواہد کی بنا پر کسی علاقے کی ملکیت کا فیصلہ نہیں کر سکتی۔ تورات کے علماء نے اس ضمن میں یہ امر بھی واضح کر دیا ہے کہ فلسطین کی سرزمین بنی اسرائیل کو اس شرط

پر عطا ہوئی تھی کہ وہ خدا کی اطاعت پر کاربند رہیں گے' اور مسلسل نافرمانیوں کی وجہ سے خود تورات کی رو سے بھی یہودیوں کا اس علاقے پر حق ساقط ہو چکا ہے۔ یہودی یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ عہد قدیم میں وہ اس علاقے پر حکمران رہ چکے ہیں لہٰذا فطری اور تاریخی طور پر اب بھی انہیں یہاں حکومت کرنے کا حق حاصل ہے۔ لیکن تاریخ یہ بتاتی ہے کہ فلسطین کی گزشتہ پانچ ہزار سال کی تاریخ میں یہودیوں کی حکومت مجموعی طور پر صرف چھ سو سال رہی ہے' جبکہ کنعانیوں' مصریوں' رومیوں' اور مسلمانوں نے یہاں کہیں زیادہ مدت تک حکومت کی ہے۔ اگر فلسطین پر یہودیوں کا حق تسلیم کیا جاتا ہے تو کیا اسی دلیل کی رو سے ریڈانڈین باشندوں کو امریکہ پر اور مسلمانوں کو اسپین اور ہندوستان پر حکومت کا حق دیا جائے گا؟ پھر یہ حقیقت بھی مدنظر رہنی چاہئے کہ تورات کی رو سے خدا نے فلسطین کی سرزمین حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو عطا کی تھی' اور اگر یہودی حضرت اسحٰق علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں تو عربوں کو بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہونے کی وجہ سے اس علاقے پر حق حاصل ہے۔

یہودی یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ ۱۳۵ء میں رومیوں کے ہاتھوں نکالے جانے کے بعد بھی فلسطین کے مختلف علاقوں میں یہودیوں کی آبادیاں موجود رہی ہیں اور اس تسلسل کی وجہ سے ان کا اس علاقے پر حق حکمرانی درست ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ۱۸۸۲ء تک فلسطین میں یہودیوں کی آبادی صرف چوبیس ہزار تھی' یعنی کل آبادی محض ۵ فیصد۔ اس کے بعد یہودیوں میں نقل مکانی کی تحریک شروع ہوئی اور وہ یورپ سے آکر یہاں بسنے لگے۔ انہوں نے فلسطین کے غیر حاضر جاگیرداروں سے زمینیں خریدیں جس پر عرب آج تک پچھتاتے ہیں۔ ۱۹۰۱ء میں صیہونیت کے بانی Theodore Herzl نے سلطان عبدالحمید خاں کو پیغام بھجوایا کہ اگر وہ فلسطین کو یہودیوں کا وطن بنانے کی اجازت دے دیں تو یہودی خلافت عثمانیہ کے تمام قرضے ادا کر دیں گے۔ سلطان نے سختی سے انکار کر دیا تو یہودیوں کی طرف سے ان کا تختہ الٹنے کی سازشیں شروع ہو گئیں' یہاں تک کہ ۱۹۰۸ء میں سلطان عبدالحمید کو خود ترکوں کے ہاتھوں معزول کرا دیا گیا۔ ساتھ ساتھ عربوں اور ترکوں میں قوم پرستی کا فتنہ اٹھایا گیا' جس کے نتیجے میں آخرکار پوری عثمانی سلطنت کے حصے بخرے کر دیئے گئے۔ اس میں ایک نہایت منافقانہ اور بددیانتی پر مشتمل کردار حکومت برطانیہ نے ادا کیا۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران انگریزوں نے ایک طرف یہودیوں کو یقین دلایا کہ وہ فلسطین میں یہودی ریاست کے حامی ہیں۔ برطانیہ کے وزیر خارجہ کی طرف سے یہودیوں کو باقاعدہ تحریری وعدہ دیا گیا (جو Balfour Declaration کہلاتا ہے) اور دوسری طرف انہوں نے عربوں سے یہ وعدہ کیا کہ وہ سلطنت عثمانیہ کے خاتمے کے بعد ان کی آزاد ریاست بنائیں گے' (اس سلسلے میں بھی شریف حسین سے باقاعدہ تحریری معاہدہ ہوا جسے MeMohon-Hussein Agreement کہا جاتا ہے)۔ مطلب یہ تھا کہ عربوں کو ترکوں سے لڑوا کر جس علاقے پر انگریز قابض ہو رہے تھے وہاں سے ان کا ارادہ عربوں کو نکال کر یہودیوں کو آباد کرانے کا تھا۔ اسرائیل کے قیام میں مجلس اقوام (League of Nations) اور اس کے بعد اقوام متحدہ نے اہم کردار ادا کیا' اور برطانیہ کے زوال کے بعد سے امریکہ نے یہودی ریاست کی سرپرستی کا "مقدس فریضہ" سنبھال لیا ہے۔

امریکی حکومت اسرائیل کی حمایت اور امداد کی خاطر ہر ایک سے دشمنی مول لینے کے لئے تیار رہتی ہے۔ چنانچہ اس کے باوجود کہ امریکہ کا ایران سے مفادات کا براہ راست تصادم نہیں ہے' وہ محض اسرائیل کی حفاظت اور مشرق وسطیٰ میں اس کی بالادستی برقرار رکھنے کے لئے ایران کے خلاف اقدامات کرتا رہا ہے۔ اس سلسلے میں امریکی حکومت نے سعودی عرب کے واقعات میں ایران کو ملوث کرنے اور ان کی "سزا" کے طور پر ایران کو مزید isolate کرنے کی پالیسی اختیار کی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ امریکہ اپنے پرانے دوست اور نیٹو کے ساتھی ترکی کو بھی ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھ رہا ہے' صرف اس لئے کہ ترکی نے ایران سے گیس خریدنے کا ۲۳ بلین ڈالر کا معاہدہ کر لیا ہے۔ واشنگٹن پوسٹ نے اس سلسلے میں لکھا ہے کہ ایران سے اس معاہدے کے نتیجے میں امریکی حکومت ترکی کے خلاف بھی مالی پابندیاں عائد کر سکتی ہے۔ ترکی کے نئے وزیراعظم اربکان کے پاکستان' ملائشیا اور ایران کے دوروں کو امریکہ میں نہایت خطرناک علامت سمجھا جا رہا ہے' کیونکہ ان دوروں سے اسلامی "بنیاد پرستی" کی بو آتی ہے۔ پاکستان کے حکمرانوں کو غور کرنا چاہئے کہ امریکہ سوائے اسرائیل کے کسی بھی ملک کا مستقل دوست نہیں ہے' اور امریکہ کی خواہشات پر چلنے کا نتیجہ لازمی یہ نکلے گا کہ پاکستان' ایران' اور ترکی ایک دوسرے سے دور ہوتے چلے جائیں گے۔OO

پس دیوار زنداں

مصر سے تعلق رکھنے والی انسانی حقوق کی ایک تنظیم نے کہا ہے کہ صحرا میں قائم ایک قید خانے میں تقریباً چار ہزار افراد کو' جن میں اکثریت سیاسی اسیروں کی ہے' انتہائی ناگفتہ بہ حالت میں رکھا گیا ہے۔ یہ جیل قاہرہ سے ساٹھ میل جنوب میں واقع ہے۔ اس میں ۱۹۸ کوٹھڑیاں ہیں جن میں سے ہر ایک کا سائز صرف ۴ x ۶ میٹر ہے اور ہر کوٹھڑی میں ۲۰ افراد قید ہیں۔ مئی ۱۹۹۵ء کے بعد سے' جب یہ قید خانہ قائم کیا گیا تھا' صرف ایک مرتبہ خارش زدہ قیدیوں کو ان کی کوٹھڑیوں سے آدھے گھنٹے کے لئے باہر نکالا گیا ہے۔ قیدیوں کا کھانا آدھا کچا ہوتا ہے اور اس میں کیڑے پڑے ہوتے ہیں۔ گرمی کی وجہ سے جسم میں پیدا ہونے والی نمک کی کمی کو دور کرنے کے لئے قیدیوں کے پاس صرف یہی طریقہ ہے کہ وہ صبح سویرے کوٹھڑی کی دیوار کو زبان سے چاٹ لیں۔ اس قید خانے میں اسیروں پر تشدد ایک معمول ہے' خصوصاً جب نئے قیدی آتے ہیں تو انہیں برہنہ کر کے پیٹا جاتا ہے۔ اس قید کا مقصد یہ ہے کہ قیدیوں کو' جن میں بہت سے ایسے ہیں جن پر اسلامی تشدد پسندی کا شبہ ہے' معاشرے سے بالکل کاٹ دیا جائے۔ چنانچہ بالعموم اسیروں کی ان کے رشتہ داروں یا وکلاء سے ملاقات پر پابندی ہے۔

(Electronic Telegraph, May 30, 1996)

بندۂ مومن اللہ کے سوا باقی ہر طاقت کا باغی ہوتا ہے

زر و مال کی محبت اور غیرت و حمیت سے بے نیازی نے ہمیں دشمنوں کے حوالے کر دیا ہے

حکیم محمد سعید

دین اسلام میں فکر و عمل کی بنیاد اور علم و حکمت کی اساس عقیدۂ توحید ہے۔ وہ شخص کہ جو اس عقیدے میں راسخ ہے اور اس پر استقامت کا حامل ہے اس کی فکر و نظر اور اس کے کردار و عمل کی بنیاد و اساس ہمیشہ استوار رہے گی۔ اب ہم غور کریں کہ عقیدۂ توحید کیا ہے؟ اللہ پاک کو ایک ماننا' اسی کی اطاعت اور اسی کی عبادت کرنا اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرانا توحید ہے۔ لاریب عملی زندگی میں عقیدۂ توحید کے تقاضے بہت وسیع ہوتے ہیں اور یہ ایک ایسا انقلابی عقیدہ اور ایمان ہے کہ جو ہر باطل طاقت اور ہر طاغوتی قوت کو چیلنج کرتا ہے۔ اللہ پر ایمان کامل رکھنے والوں کو امتحان' ابتلا اور آزمائش کی مختلف منزلوں سے گزرنا ہوتا ہے۔ یہ منزلیں دار و رسن کی بھی ہیں' شہادت کی بھی ہیں' جہد و جہاد کی بھی ہیں' افلاس و غربت کی بھی ہیں' ترک وطن اور ہجرت کی بھی ہیں' شرافت و صداقت کی بھی ہیں' عدل و انصاف کی بھی ہیں' نشانہ انتقام بننے کی بھی ہیں اور اجتماعی اور قومی زندگی کی آزادی و حریت کی بھی ہیں۔

بے شک ایمان والے کے پاس صرف اللہ پر توکل ہوتا ہے اور اپنے اسی توکل اور استقامت سے وہ ہر آزمائش میں پورا اترتا ہے۔ ایمان والا صرف اپنے اللہ سے ڈرتا ہے' باقی ہر طاقت کا باغی ہوتا ہے۔

تمام مسلمانوں کو عموماً اور پاکستان کے مسلمانوں کو خصوصاً انفرادی و اجتماعی سطح پر آج جو سب سے بڑا مسئلہ درپیش ہے وہ توحید پر قائم رہنے کا ہے۔ یقیناً یہ مسئلہ نیا نہیں ہے۔ پہلے بھی انبیائے کرام اور ان کا اتباع کرنے والے ہمیشہ آلام و مصائب کی جاں گسل اور صبر آزما منزلوں سے گزرے ہیں' مگر ان کی ثابت قدمی اور عقیدۂ توحید پر ان کی استقامت کی وجہ سے ان کے لئے فتح و نصرت کے دروازے کھل گئے اور ایمان والوں کی بقا کو لاحق خطرات کا طوفان خود ایمان کے دشمنوں کی طرف پھر گیا۔

آج ہم اپنے دشمنوں کے مقابلے کے لئے مختلف قسم کے مادی ساز و سامان فراہم کرنے کی فکر میں سرگرداں ہیں' جب کہ اس سلسلے میں ہماری رہنمائی رسول اللہ ﷺ نے ایک اور مضبوط ترین ہتھیار کی طرف کی ہے اور وہ ہے عقیدۂ توحید اور اللہ پر ایمان میں ہمارا پختہ تر ہونا اور ہر آزمائش میں ثابت قدم رہنا۔

ہماری ثابت قدمی' ہماری ہمت اور ہمارا بہتر کردار و عمل بھی خود ایک ہتھیار ہے اور جب تک ہم پاکستان میں اس ہتھیار سے کام لیتے رہیں گے ہمیں دنیا کی کوئی طاقت مغلوب نہیں کر سکتی۔

ہمیں اپنی عقل و خرد کو بروئے کار لا کر اور اپنے فکر و نظر کو جلا دے کر یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ پاکستان میں ہمارے اعدا ہمارے دین اور ایمان کی خریداری کا سامان کس طرح کر رہے ہیں اور ہماری استقامت کو منہدم و مفلوج کرنے کے لئے کیا منصوبے بنا رہے ہیں۔ ان اندرونی اور بیرونی دشمنوں کے ہتھیار انوکھے اور نئے نہیں ہیں۔ دشمنوں کی فتح و برتری کا راز یہ ہے کہ وہ ہماری ایمانی کمزوریوں سے واقف ہو چکے ہیں۔ ہماری ایمانی کمزوری یہ ہے کہ ہم میں زر و مال کی حرص پیدا ہو چکی ہے۔ ہم غربت و افلاس سے بیزار ہو کر اپنی خوشحالی کے لئے حرام و حلال کی حدود کو بھی ترک کر دیتے ہیں۔ آسائش طلبی نے ہم سے قناعت' سادگی' اور خود داری چھین لی۔ سائنسی علوم کی ترقیوں نے ہمیں ایسا مرعوب کر دیا کہ ہم ان کو حاصل کرنے کے لئے اپنا سب کچھ ترک کرنے کو تیار ہیں۔ اسلام دشمن طاقتوں نے علمی' معاشی اور مادی اعتبار سے ہمیں پس ماندہ قوم کہنے کی ایسی رٹ لگا رکھی ہے کہ ہم یہ یقین کرنے لگے کہ ہم نہ صرف پسماندہ ہیں' بلکہ ان کی امداد و اعانت کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ ہم یہ سوچنے لگے ہیں کہ ان کی سرپرستی کے بغیر ہم نہ علم حاصل کر سکتے ہیں' نہ ترقی کر سکتے ہیں' نہ صحت مند رہ سکتے ہیں اور نہ اپنی فلاح کے راستے ڈھونڈ سکتے ہیں۔ زر و مال کی محبت' مادی خوشحالی' خودی و خود داری سے لاپرواہی اور غیرت و حمیت سے بے نیازی نے ہمیں خود بہ خود اسلام دشمنوں کی آغوش میں ڈال دیا۔ ہمارے ہاں رشتوں کا مفہوم اور ان کے مراتب بدل گئے۔ بزرگوں کو کنبے کی سربراہی حاصل نہیں رہی۔

یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ ہم مادی خوشحالی کو دین پر ترجیح دینے لگے ہیں اور ہم اپنی اولاد کی اسلامی تربیت سے غافل ہو گئے ہیں۔ یاد رکھئے کہ زر و مال کی محبت ہی ایمان کے لئے سب سے زیادہ تباہ کن ہے۔

بقیہ : حدیث امروز

صرف محمد رسول اللہ ؐ کا۔ صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان حجت ہے اور صرف حضور ؐ کے ارشاد کی غیر مشروط تعمیل لازم۔ باقی ہر حکم' ہر قول' ہر تصور' ہر مشورہ مشروط ہے قرآن و سنہ کے مطابق ہونے کے اگر اس پہ عمل کرنا مقصود ہو۔ ہم ممنون ہیں مفکر اسلام علامہ اقبال کے کہ جنہوں نے مسلمانان ہند کی سوچ کو صحیح رخ دیا' جن کی مردم شناس نظر نے تحریک پاکستان کی قیادت کے لئے قائد اعظم محمد علی جناح کا انتخاب کیا اور انہیں یہ ذمہ داری قبول کرنے پر آمادہ کیا۔ ہم احسان مند ہیں قائد اعظم کے کہ جن کی قابل فخر قیادت نے اس تحریک کو شاندار کامیابی سے ہمکنار کیا۔ ان دونوں قائدین کو اللہ تعالیٰ اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے کہ جنہوں نے مسلمانان ہند کو آزاد ملک دلوانے کے لئے فکر و عمل کے میدان میں انمول کردار ادا کیا۔ اب یہ سوال کہ اس ملک کا آئین کیا ہو اور اس کا انتظام و انصرام کیسا ہو تو اس کا صرف ایک ہی جواب ہو سکتا ہے کہ قرآن و سنہ کے عین مطابق۔ اگر کسی معاملے میں اجتہاد کی ضرورت ہو تو اس کے اصول اور طریق کار بالکل واضح ہیں۔ خدارا اس اہم مسئلے کو قائد اعظم اور علامہ اقبال کے تصورات کی تاویلات کے مطابق ڈھالنے کی بات کرتے ہوئے مت الجھایئے بلکہ سلجھانے کا سوچئے۔ قرآن و سنہ کی تعلیمات مکمل اور واضح ہیں۔ ان کو کسی پیوند کی ضرورت نہیں۔ ہمارا المیہ ہی یہ ہے کہ ہم الجھانے کے غازی ہیں سلجھانے کے نہیں۔ افسوس کہ ہم نے مسلکی موشگافیوں سے دین کو بھی الجھا دیا ہے۔ صاف ستھرے دین کو صاف ستھری نیت سے اپنایئے دین و دنیا دونوں بن جائیں گے۔ ○○

یہ انقلاب کیسا ہے؟

محبوب الحق عاجز

"بھائی صاحب' آج پھر ہڑتال ہے؟"

جی ہاں!

کس کی؟

ڈاکٹروں کی۔

"یار آج کل ہڑتالیں کچھ زیادہ ہی ہونے لگی ہیں۔ احتجاجی جلوس اور دھرنے روزانہ کا معمول بنتے جا رہے ہیں۔ ہر شخص پریشان ہے۔ ہر ایک نظام بدلنے کی باتیں کر رہا ہے۔ ہر طرف انقلاب کے نعرے لگ رہے ہیں' ویسے یہ تو بتاؤ یہ انقلاب ہے کیا؟"

بھلے آدمی' انقلاب کا پوچھتے ہو!

"جی ہاں انقلاب کا!"

مگر تمہارا کیا خیال ہے انقلاب کے بارے میں۔

"میرے خیال میں حکومت گرانے کا نام انقلاب ہے یا فوجی آمریت لانے کا نام انقلاب ہے"

نہیں پیارے یہ انقلاب نہیں۔

"تو پھر میرے خیال میں پارلیمانی کی جگہ صدارتی نظام لانے کو انقلاب کہیں گے یا---یا---یا"

یا کیا؟

"میرا مطلب ہے پیپلز پارٹی کی جگہ مسلم لیگ کی حکومت بننے کا نام انقلاب ہے"

نہیں ان میں سے کوئی بھی انقلاب نہیں ہے۔

"مگر کیوں؟ ہماری سیاسی جماعتیں تو اسی کو انقلاب کہتی ہیں' اسی کے نعرے لگاتی ہیں"

اگر تم نہیں سمجھے تو بھلا یہ بتاؤ کہ انقلاب تبدیلی کو کہتے ہیں کیا اس طرح کے انقلابات سے کبھی کوئی تبدیلی آئی ہے؟

"کس قسم کی تبدیلی؟"

میرا مطلب ہے کہ ایسے انقلابات سے کبھی

حکمرانوں کی عیاشیاں کم ہوئی ہیں؟

عوام کا معیار زندگی بہتر ہوا ہے؟

ظالم کا احتساب ہوا ہے؟

مظلوم کو سستا انصاف ملا ہے؟

طبقاتی امتیاز ختم ہوا ہے؟

وی آئی پی کلچر کا خاتمہ ہوا ہے؟

غریب کے بچے کو تعلیم کے مواقع ملے ہیں؟

اسے خوراک' لباس' رہائش اور علاج کی سہولتیں ملی ہیں؟

"نہیں بھائی' ایسی تبدیلی تو کوئی نہیں آئی"۔

تو کیسی تبدیلی آئی ہے؟

"تبدیلی ---- بس حکومتیں بدلی ہیں' پارٹیاں بدلی ہیں' چہرے بدلے ہیں۔ جاگیردار گئے تو سرمایہ دار آ گئے' سرمایہ دار گئے تو جاگیردار آ گئے' وڈیرے گئے تو نواب آ گئے اور نواب گئے تو----"

تو پھر کیا خیال ہے تمہارا انقلاب کے متعلق؟

"میں اب اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہم لوگ اقتدار کی جنگ' سرمایہ داروں کی لڑائی اور عوام کی رسوائی کو انقلاب کہتے ہیں"۔

بالکل بجا' تم صحیح سمجھے ہو۔

"لیکن عوام کا کیا قصور؟ وہ تو اس جنگ سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے"۔

مگر وہ انقلاب کے نعرے تو لگاتے ہیں۔ آخر وہ کس انقلاب کی بات کرتے ہیں؟

"یار میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا کہ اصل میں وہ انقلاب کیا ہے جو عوام چاہتے ہیں"۔

اچھا تو مجھ سے سنو۔ انقلاب دراصل نام ہے کوئی نیا نظام قائم کرنے کے لئے ملکی آئین میں بنیادی نوعیت کی تبدیلیاں لانے کا!

"کیسی تبدیلیاں؟"

ایسی تبدیلیاں جن کے تحت نظام معیشت بدل جائے' معاشرتی سسٹم بدل جائے' سیاست کے اصول بدل جائیں' عدالت کے ضابطے اور قوانین بدل جائیں' تعلیم کا نیا ڈھانچہ وجود میں آ جائے' غرض ایک ہمہ گیر تبدیلی آ جائے جس سے عوامی خوشحالی کے نئے دور کا آغاز ہو سکے' اس کو انقلاب کہتے ہیں۔

"جی ہاں اب بات واضح ہوئی۔ بے شک انقلاب اسی کا نام ہے اور ہمارے عوام اسی کی خواہش رکھتے ہیں' لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی"۔

وہ کیا؟

"وہ یہ کہ اتنی بڑی تبدیلی اور خوشحالی آئے گی کیسے؟"

کیا مطلب ہے تمہارا؟

"میرا مطلب ہے کہ مغرب اور یورپ میں جو نظام چل رہا ہے اس کو اگر ہم یہاں قائم کر دیں تو کیا عوام خوشحال ہو جائیں گے؟"

نہیں ہرگز نہیں! امریکہ جو اس وقت سرمایہ دارانہ اور جمہوری نظام کا چیمپئن ہے' وہاں اس وقت یہ صورت حال ہے کہ ڈھائی کروڑ افراد بے روزگار پھر رہے ہیں' افراط زر بڑھ رہا ہے۔ غربت کا یہ عالم ہے کہ ہر تیرہواں آدمی بھوکا سوتا ہے اور تین کروڑ ۵۶ لاکھ افراد انتہائی غربت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ رہائشی سہولتیں نہ ہونے کے سبب بے شمار لوگ فٹ پاتھوں اور ریلوے اسٹیشنوں پر رات گزارتے ہیں۔ معاشی ناہمواری کے نتیجہ میں جرائم کی شرح بہت بڑھ چکی ہے' امن و سکون غارت ہو چکا ہے' اخلاقی قدریں مٹ چکی ہیں' مقدس رشتوں کی الفت کا دیوالیہ نکل چکا ہے۔

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ نظام ----"

جی ہاں! یہ نظام عوام کو خوشحالی نہیں دلا سکتا

"تو پھر انقلاب کون سا؟"

یعنی؟

"یعنی کون سے انقلاب سے لوگوں کا معیار زندگی بہتر ہو گا' ہمارے ہاں کچھ لوگ وہ روس والے نظام کی بھی بات کرتے ہیں"۔

نہیں وہ بھی نہیں چلے گا۔ اگر وہ چل سکتا تو اپنے مرکز روس میں ہی کیوں ناکام ہوتا۔

"تو پھر؟"

پھر ایک ہی نظام ہے

"وہ کون سا؟"

آسمانی نظام

"آسمانی نظام؟"

میرا مطلب ہے اسلامی نظام' خدائی نظام کہ یہی وہ واحد نظام ہے جو معاشرتی اونچ نیچ کا خاتمہ کرتا ہے' سیاسی آقائی و غلامی کی جڑیں کاٹتا ہے' معاشی ناہمواریوں کو مٹاتا ہے۔ یہی نظام لوگوں کی بہبود کا انتظام کرتا ہے' لوگوں کی خوشحالی کا اہتمام کرتا ہے' بندوں کے گلے سے بندوں کی غلامی کا طوق اتار کر خدا کی غلامی کا درس دیتا ہے۔

"تو پھر انقلاب اسلامی ہی ہونا چاہئے تاکہ ہمارا رب بھی ہم سے راضی ہو جائے اور عوام بھی خوشحال' اور ہم نے پاکستان بھی اسی لئے بنایا تھا"

جی ہاں' ایسا ہی ہونا چاہئے

"تو پھر ہماری سیاسی جماعتیں جو مسلمانوں کی نمائندہ

ہیں' سیاسی رہنما بھی مسلمان ہیں' آخر وہ اس انقلاب کی بات کیوں نہیں کرتے؟"

بات تو کرتے ہیں۔ کیا فوجی آمروں نے اسلام کا نام نہیں لیا؟ کیا بھٹو نے اسلامی سوشلزم کا نعرہ نہیں لگایا تھا' کیا میاں صاحب اسلام کے نعرے کی بدولت اقتدار میں نہیں آئے تھے؟ کیا "تسبیح والی بی بی" اسلام کا نام نہیں لے رہی ہے؟ کیا صوم و صلوۃ کے پابند صدر مملکت اسلام کی بات نہیں کر رہے ہیں؟

"میرا مطلب ہے کہ یہ لوگ عملاً اسلامی انقلاب کیوں نہیں لاتے؟"

کیوں نہیں لاتے!---

وہ اس لئے کہ ان کا احتساب کیا جائے گا۔

ان کی ناجائز جائیدادیں اور جاگیریں ضبط کر لی جائیں گی۔

ان کے سرے کے محلات چھن جائیں گے۔

ان کے سوئٹزرلینڈ کے بینکوں میں کھاتے خطرے میں پڑ جائیں گے۔

ان سے قرضے جبراً وصول کئے جائیں گے۔

ان کی لوٹ کھسوٹ کے دروازے بند ہو جائیں گے۔

ساری قومی دولت کو منصفانہ تقسیم کیا جائے گا۔

ان کی خصوصی مراعات ختم ہو جائیں گی۔

ان کی آقائی اور چودھراہٹ ختم ہو جائے گی۔

ان کے لئے اور عوام کے لئے ایک ہی قانون ہو گا۔

ان کے بچے اور غریبوں کے بچے ایک ہی طرح کے تعلیمی اداروں میں تعلیم پائیں گے۔

ان کو اور عوام کو خوراک' لباس' رہائش اور علاج معالجہ کی یکساں سہولتیں حاصل ہوں گی۔

"تو پھر اس عظیم انقلاب کے لئے عوام ہی کو اٹھنا ہو گا جی ہاں' منظم عوام ہی یہ انقلاب لا سکتے ہیں

"لیکن اگر عوام نے اس کے لئے کوشش نہ کی تو؟"

تو اقبال کہہ گئے ہیں ۔

جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
روح امم کی حیات کشمکش انقلاب

ایک وضاحت

ندائے خلافت کی گزشتہ اشاعت کا "کتاب نامہ" جناب مختار مسعود کی کتاب "لوح ایام" کے مفصل تذکرے پر مشتمل تھا۔ کتاب اردو بازار میں کسی بھی کتابوں کی دکان سے آسانی سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ کتاب کے ناشر کا کتاب کی فروخت سے اب کوئی تعلق نہیں رہا۔ (ادارہ)

امیر تنظیم اسلامی کا ایک نہایت جامع درس قرآن

بعنوان:

اطاعت کا قرآنی تصور

کتابی شکل میں دستیاب ہے

صفحات ۴۴' قیمت ۷ روپے

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور

The Nation SUNDAY, AUGUST 4, 1996

Revolution through *dharnas* not possible, says TI leader

By Anjum Mufti

LAHORE - 'Jama'at-i-Islami, if want to see success of its movement in real sense, then it needs to satisfy the masses that the movement has been undertaken for a specific cause and not to enhance the nuisance value and gaining a suitable bargain from either the government or the Opposition in any manner'.

This was observed by Muhammad Ashraf Wasi Nazim Tanzeem-i-Islami Lahore Division while talking to *The Nation* at the Tanzeem office, the other day. Ashraf Wasi stated that Tanzeem-i-Islami though agree with the basic Ideology of the Jamaat but on the points of *Khilafat* and *Malokiat* of Maulana Abul Ala Maudoudi and participation in the elections Tanzeem do not follow JI. Instead Tanzeem believe in *Bait-i-Samma-o-Itaat*, *Bait-i-Jihad* which every member of Tanzeem have to take at the hands of founder Dr. Israr Ahmad, he informed. He said practice being observed by the JI during its present movement had already been undertaken by Tanzeem two years ago but the sole purpose of the movement was public awareness. He said no revolution with *Dharnas* was possible, the element of sincerity, public awareness and participation was absolutely essential ingredients for the same. He said that revolution could only be possible through public pressure and backing of the people on the call of the party, which may include civil disobedience and call like not allowing the members to attend the Assembly session.

He said that Tanzeem had proposed Jama'at that a collective Shoora consisted at 50 per cent members of JI, 25 per cent of Tanzeem-i-Islami and 25 per cent of Tehrik-i-Islami may be constituted and phased work of public awareness be undertaken and when three-fourth of the shoora feels that the time was ripe to undertake a movement or for that matter to take part in the elections which could result in a thumping majority of the alliance could be acted upon to achieve the desired results. He said even in such like situation the Tanzeem would never field its candidates in the elections in accordance with its manifesto. Wasi said that it was not the present government alone with which people have to fight, rather it was with powers like USA, IMF and European countries as well without a total support and participation of all tiers of the society it would not be possible to fight and succeed. He said that Pakistan was bound to become a true Islamic Welfare State one day and to achieve this objective, there was need to come into the field with proper planning and readiness otherwise movements could only result in bloodshed of the innocent people without any achievement.

تنظیم اسلامی حلقہ لاہور ڈویژن کے ناظم جناب اشرف وصی سے روزنامہ "نیشن" کے نمائندے کی گفتگو' جسے نیشن نے تین کالمی خبر کے طور پر شائع کیا۔

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

نقطہ نظر

یہ ملک "اسلام کے نام پر" بنا تھا' اسلام کی خاطر نہیں !

علماء کرام اکثر و بیشتر فرقہ و مسلک کے علمبردار بنے ہوئے ہیں تو صحافی سیاسی جماعتوں کے وفادار !

پاکستان کی نصف صدی کی تاریخ جمہوری نظام کے "ثمرات" پر مشتمل ہے مگر ہم اس سے جان چھڑانے کیلئے تیار نہیں

محمد سمیع

آپ نے روزنامہ "جنگ" کراچی کی ۱۴ جولائی کی اشاعت میں "خوگر حمد جمہوریت" کا شکوہ ضرور پڑھا ہو گا۔ جی ہاں! محترم ارشاد احمد حقانی کا شمار بھی وطن عزیز کے ان دانشوروں میں ہوتا ہے جو جمہوری نظام کے "حلقہ ارباب وفا" سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہوں نے جمہوری نظام کی مرثیہ گوئی تو کی ہے لیکن تان ان کی اسی نظام کی اصلاح پر ٹوٹی ہے۔ اس خرابی بسیار کے باوجود جو پاکستان کی نصف صدی کی تاریخ میں جمہوری نظام کے ثمرات پر مشتمل ہے ہم اس سے جان چھڑانے کے لئے تیار نہیں۔ اس سے قبل موصوف نے اس نظام کے متبادل کے طور پر امریکی صدارتی نظام' فرانس اور انگلستان کی طرز جمہوریت کا اپنے کالموں میں تذکرہ کیا ہے۔ اس "حلقہ ارباب وفا" پر یہ شعر پوری طرح منطبق ہوتا ہے کہ ؎

آشیاں جل گیا ' گلستاں لٹ گیا
اب قفس سے نکل کر کدھر جائیں گے
اتنا مانوس صیاد سے ہو گئے
اب رہائی ملی بھی تو مر جائیں گے

ہم میں ایسے لوگ بھی ہیں جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ عالم انسانیت' خواہی نخواہی اسی نظام کی جانب جا رہی ہے جس کو آج سے چودہ سو سال قبل نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیرہ نمائے عرب کی حد تک عملاً غالب کر کے دکھا دیا تھا اور واقعہ بھی یہی ہے کہ اس نظام کی چند اچھی باتوں کو اپنا کر اقوام یورپ ترقی کی راہوں پر گامزن ہیں۔ اس کے برعکس ہمارا حال یہ کہ مغربی نظام سیاست کی عیاریوں کو اپنا کر ؎

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں

کی تصویر بنے بیٹھے ہیں۔ جارج برنارڈ شا نے کہا تھا کہ جب میں قرآن کو دیکھتا ہوں تو مجھے روئے زمین پر اس سے اچھی کتاب نظر نہیں آتی اور جب مسلمانوں کو دیکھتا ہوں تو اس سے ذلیل کوئی قوم نظر نہیں آتی۔ قرآن کریم کو تو ہم مسلمان بھی بہترین کتاب سمجھتے ہیں۔ لیکن صرف حصول ثواب یا ایصال ثواب کے لئے اس کتاب کی رہنمائی میں نظام وضع کرنے کو تیار نہیں' تیار تو دور کی بات ہے' اس پر گفتگو کے لئے بھی آمادہ نہیں۔ ہماری صحافی برادری کو ہمارے علماء کی طرح عوام کی ذہنی تطہیر کے لئے وافر مواقع حاصل ہیں۔ لیکن صورتحال یہ ہے کہ اگر علماء کرام فرقہ و مسلک کے علمبردار بنے ہوئے ہیں تو صحافی برادری نے اپنی وفاداریاں مختلف سیاسی جماعتوں سے وابستہ کر رکھی ہیں۔ حقانی صاحب اپنے کالم میں رقم طراز ہیں کہ "جب مذہبی جماعتیں نظام بدلنے کی بات کرتی ہیں تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ حکومت' سیاست' ثقافت' تعلیم اور معاشرت پر ان کی دانست میں جو غیر صحت مند مغربی اثرات غالب ہیں ان کا ازالہ کیا جائے"۔

اصل بات یہ ہے کہ اس ملک کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ اسلام کے نام پر بنا تھا چونکہ صرف "اسلام کے نام پر" بنا تھا اسلام کی خاطر نہیں۔ لہٰذا ہم نے اسلام کا نام تو بہت لیا' کام اسلام کا کوئی نہیں کیا۔ اس میں کسی مخصوص طبقے کو ذمہ دار قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس جرم میں الا ماشاء اللہ ہم سب شامل ہیں۔ جب اپنے گرد و پیش نوجوانوں پر نظر ڈالتا ہوں تو کوئی حقوق کا نعرہ لگانے والوں کے سحر انگیز جال میں پھنسا تو کوئی زندگی کی دوڑ میں مسابقت حاصل کرنے کے چکر میں۔ حد یہ ہے کہ مذہبی سیاسی جماعتیں جن کا فرض نوجوانوں کی دینی رہنمائی ہے وہ ان سے وہی کچھ کروا رہی ہیں جو دیگر سیاسی جماعتیں کروا رہی ہیں۔ اگرچہ ہمارا یہ چلن تو شروع سے رہا ہے لیکن جشن میلاد النبی کے موقع پر اس کا شدت سے احساس ہوا۔ سیرت کے جلسوں میں دوسرے علماء کا نام بگاڑنا' ان کی تضحیک' ان کے عقائد پر جارحانہ حملے' یہ تو پہلے بھی دیکھنے میں آتے تھے البتہ اب اس میں شدت پیدا ہو گئی ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ نماز عشاء کے بعد سائلنسر پائپ نکالے ہوئے موٹر سائیکلوں پر طویل جلوس! کس کس بات کا رونا رویا جائے۔ دین کی تعلیم تو یہ ہے کہ خوشی کا اظہار اس طور سے کیا جائے کہ اڑوس پڑوس میں کسی کے معمولات میں خلل واقع نہ ہو اور ہم مذہبی تقریبات بھی دوسروں کی گردن پر پاؤں رکھ کر مناتے ہیں!!

مسلمانو! سوچو اگر نرے عقیدے رکھ کر اور مسئلے مسائل پڑھ کر جان کا چھٹکارا ہو سکتا تھا تو صحابہ کرام کو کیا پڑی تھی کہ اس مشکل مذہب پر چلیں۔ سعدؓ کو کیا پڑی تھی کہ بے چون و چرا اپنے امیر کا حکم مانتا۔ ایک اکھ بیس ہزار فوج کو کیا مجبوری تھی کہ فاروق اعظمؓ کا حکم دم بخود سنتی اور اپنے جرنیل کی انتہائی رسوائی اس معمولی جرم پر گوارا کرتی کہ اس نے ریشمی کرتہ پہن لیا ہے.... آج مسلمان صرف پانچ نمازیں پڑھ کر اور شرعی داڑھی رکھ کر تمام باقی مسلمانوں سے بھرا پھرا ہے اور کسی دوسرے شخص کے اسلام کو خاطر میں نہیں لاتا۔ صرف چند سطحی باتیں کر کے باقی سارے قرآن پر عمل کرنا ضروری نہیں سمجھتا.... سب کے سب عمرؓ کے حکم کو سن کر لرز گئے۔ کیا نفس پتلا کر دیا گیا تھا کہ سعدؓ اتنے رسوا کن حکم کے آگے سر جھکا دے۔ حضرت عمرؓ کے خالدؓ بن ولید کو میدان جنگ میں معزول کرنے کا واقعہ مشہور تاریخی واقعہ ہے۔ مسلمانوں کے سالار اعظم خالدؓ نے میدان جنگ سر کر لینے کے فوراً بعد ہی اپنی کمان ابوعبیدہؓ کو دے دی اور خود سپاہیوں کی قطار میں شامل ہو گئے... نہیں' صاف نتیجہ یہ ہے کہ اس وقت امیر کی کامل اطاعت دین اسلام کا سب سے ضروری حصہ سمجھا جاتا تھا۔ نہیں' دین اسلام کا نام اطاعت تھا۔ ہر مسلمان کی گھٹی میں رسول خدا کی تئیس برس کی تعلیم نے یہ بات ڈال دی تھی کہ اگر مسلمان بننا چاہتے ہو تو جو حکم ملے کرو' بہرحال خاموش رہو' نظام میں فساد پیدا نہ کرو۔ نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ سب اس لئے ہیں کہ تم میں یہ بلند اخلاق پیدا ہو جائے! (علامہ مشرقی)